

جون ۱۹۹۷ء

خاتونِ پاکستان

اسلامی جی بی 3



مشرقی بنجاری



اسکول کی لال عمارت خاصی پرانی مگر مضبوط  
مٹی، رقبہ بھی اچھا خاصا تھا۔ دو بڑے بڑے کھیل کے  
میدان اور ان کے علاوہ چند چھوٹے لان۔ گیٹ سے اندر  
داخل ہوں تو پہلے پرنسپل کا آفس تھا پھر نوٹس اور دیواریں  
جماعت کے کمرے، لمبے لمبے برآمدے اور آئینے والے  
آئینوں اور ساتویں کلاسز۔ انہی کلاسز کے قریب اسٹاف

مکمل ناول

digest novels lovers group@Nadia Majid



جب وہ چھوٹی تھی۔ تب ماما اسکول کوئی اور تھا پھر وہ  
ادھر آگئیں اور کچھ کئی سال سے ادھر ہی تھیں۔ اس لئے  
میرنگ کا امتحان اسی اسکول سے پاس کیا اور ماما نے  
ایڈمیشن قریبی کان میں کر دیا۔

مما بہت سنجیدہ مزاج اور کچھ کچھ غصہ ور بھی تھیں۔  
اسکول میں بڑا رعب تھا ان کا۔ لڑکیاں تو لڑکیاں لیکن  
بھی بات کرتے ہوئے کھبرا کر تھیں۔ جیسے وہ سخت  
افسوس۔ ایسے ہی ماں بھی بہت بار رعب قسم کی تھیں  
بس ایک بار جو بات کہہ دی سو کہہ دی پھر اس میں  
ترمیم کی قطعی گنجائش نہیں اور پر نیاں کے لیے ان کا  
ہر حکم ماننا ضروری ہوتا۔ اسکول کے زمانے میں وہ  
ہردم ان کی نگہان لگا ہوں کی زد میں رہا کرتی تھی۔  
پر نیاں کلاس میں شرارت تو نہیں کرتی۔  
پر نیاں نے کوئی پیسہ نہ تو نہیں چھوڑا۔  
پر نیاں کی دوست نالائق لڑکیاں تو نہیں۔  
وہ اپنی دوستوں کے ساتھ بہت زیادہ باتیں  
تو نہیں کرتی۔

انہیں ہر بات کی ٹوہ ہوتی تھی اور وہ سے اپنی  
مرضی سے ذرا بھی ادھر ادھر ہوتا دیکھتیں تو سب کے سب  
ڈانٹ دیتیں۔

پر نیاں بہت حساس اور اپنی عزت آپ کرنے والی  
تھی۔ جب ساری کلاس کے سہ ماہی ڈانٹ  
سننا پڑتی تو سخت سبکی محسوس کرتی۔ وہ ہمیشہ اسی کوشش  
میں لگی رہتی تھی۔ کہیں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھے اور ماما کی  
ڈانٹ سننا پڑے۔ اس ڈانٹ سے بچنے کے لیے اس نے  
بچپن ہی میں بہت سی بچوں والی باتیں چھوڑ دیں۔  
وہ سنجیدہ، کم گو، اور تنہائی پسند ہوتی چلی گئی۔ حالانکہ  
جی تو بہت چاہتا تھا وہ بھی باقی لڑکیوں کی طرح اپنی  
آواز میں بولے۔ خوب ہنسے، پیسہ نہ چھوڑ دے اور گلیں پر

جا کر چاٹ کھائے۔ مگر ماما کا کہنا تھا تمہارا گلا بہت جلد  
خراب ہو جاتا ہے۔ کبھی چیرنس مت کھایا کرو۔  
صبح ماسی نذیراں اس کے لیے ناشتے کے ساتھ ساتھ  
لچ باکس بھی تیار کیا کرتی تھی۔ وہ کھانا ناشتا سب کچھ  
انتہائی بے مزہ بناتی تھی۔ یہاں شاید پر نیاں کو لگتا تھا۔  
بالکل پھیکا اور بے رنگ کر ماما کو تیز مزہ میسر آتا اور

کے کو اڑھتے۔ یہ کل چار تھے۔ سب سے اچھا میڈم حدیقہ  
رہائی کا تھا۔ کمرے کشادہ اور صحن بھی اچھا خاصا تھا۔ باقی  
کے تین میں بس شہنا احمد، مس شریا بانو (جنہیں سارا  
اسٹاف آپا جان کہتا تھا) اور مس صالحہ اپنے دو عدد دھڑلے  
بدلتے اور نڈر پنچوں سمیت رہائش پذیر تھیں۔  
اسکول کی اس عمارت سے کچھ ہی فاصلے پر لڑکیوں کا  
کام اور ایک پرائمری اسکول تھا۔ اس روڈ پر چند دفاتر  
بھی تھے۔ پھر تقریباً تیس منٹ کی واک پر کسی پر صاحب  
کی کوٹھی تھی جو کہ مسلمان تھی اور اس کے لان میں اچھا خاصا  
جنگل لگا آیا تھا۔

یہ شہر ابھی ترقی کے لحاظ سے خاصا پیچھے تھا۔ آبادی  
بھی کم اور زیادہ تر کاروباری لوگوں پر مشتمل تھی اس علاقے  
کی کیا سچی اور اسی لحاظ سے شہر میں کیا س سے  
بنائی جانے والی چیزوں کے چھوٹے چھوٹے کارخانے  
تھے۔ (جنہیں کارخانے تو بہال کے رہائشی ہی کہتے تھے)  
پر نیاں رہائی کو یاد نہیں پڑتا تھا کہ اس نے اپنے  
ہوش میں اس تنگ بازاروں اور کچھ مکاناتوں والے شہر  
کے علاوہ بھی کوئی شہر دیکھا تھا۔ اس کی ماما میڈم حدیقہ  
بتاتی تھیں۔ اس کی پیدائش اسلام آباد کی ہے۔ ماما  
کہتی تھیں اسلام آباد سے میری بہت سی حسین یادیں  
والی ہیں۔ اگر وہ موڈ میں ہوتیں اور کام سے فارغ بھی  
ہوتیں تو پر نیاں کو اپنی زندگی کی خوشگوار یادوں کی کچھ باتیں  
سنایا کرتی تھیں۔ ان یادوں میں پر نیاں کے والد رہائی  
ہوتے۔ حدیقہ ہوتیں اور کبھی کبھی ایک ڈیڑھ سال کی پر نیاں  
بھی شامل ہوتی۔

وہ بہت شوق سے یہ قصے سنا کرتی تھی اور اسے میں  
اس کی نگاہ بار بار کارنس پر رکھی اپنے پاپا کی تصویر کی  
جانب اٹھ جاتی۔ کتنے شاندار سے تھے اس کے پاپا۔ روشن  
آنکھیں اور کھلا کھلا سا چہرہ تصویر دیکھ کر یوں لگتا تھا ابھی

ہنس پڑیں گے۔ کاش وہ زندہ رہتے۔ زیادہ نہیں تو بھی  
پانچ تیرہ برس اور کچھ یادیں میرے پاس بھی ہوتیں۔  
میرے تصور میں ان کی باتیں ان کا ہر ہر انداز ہوتا۔ کاش  
کاش آہ مگر یہ نصیب میں نہیں تھا۔ وہ سوچتی۔

بس اس کی دنیا تو ماما تک ہی تھی۔ وہی اس کے لیے  
سب کچھ تھیں۔ ایک عرصے سے یہ لوگ اسی شہر میں تھے۔

پکٹائی بالکل پسند نہیں تھی۔  
اب تو وہ بڑی جھوٹی مٹی کاج کی اسٹوڈنٹ مٹی مگر  
بڑی ہونے کے باوجود وہ مہاکے حصار میں مٹی اور اب  
تو وہ اس حصار کی اتنی عادی ہو چکی تھی کہ اگر مٹا سے  
آزادی دینے کی بات کریں تب پریشیاں خود ہی انکار کر  
دیتی۔ اب وہ خود کو انہی کے زیر سایہ محفوظ تصور کرتی تھی  
اگر کہیں ان کے بغیر جانا پڑ جائے تو۔ سوچ کر ہی دم  
گھٹنے لگتا۔ اب بھی اس کے تمام کپڑے مٹا کی پسند سے  
ہتے تھے کھانا وہ ان کی ہدایت کے مطابق کھاتی تھی۔  
اسے سب سمجھتا تھا کہ وہ اسے دودھ بھی اچھا نہیں  
اک سبب ضرور کھایا کرو۔ اسے دودھ بھی اچھا نہیں  
گھنا تھا مگر مٹا نے کہا رکھا تھا اور نذیراں سر رات سونے  
سے پہلے اسے دودھ کا ایک گلاس ضرور دیتی تھی۔

اسے گانا سننا، فی وی دیکھنا بھی اچھا لگنے لگا تھا۔ کاج  
میں لڑکیاں نئی فلموں کی باتیں کرتیں، نئے گیتوں پر تبصرہ  
فورٹ ہیرو کی تصاویر ان کی باتیں، ان کی پسند پسند  
پر تبصرے، وہ حیران ہوتی۔ انہیں یہ سب کیسے بتا چلا جاتا  
ہے۔ اس کے گھر تو بس ایک فی وی تھا جس پر پاکستان  
کے بین چینل آتے تھے۔ تینوں پر کبھی کبھار ہی کوئی دیکھنے  
کے قابل پروگرام آیا کرتا تھا۔ اور پھر لڑکیاں ان پروگراموں  
پر تو بات کرتی ہی نہیں تھیں۔ وہ دیکھ کر بھی کیا کرتی۔  
اسے نئے فیشن کا بھی کچھ خاص علم نہیں ہوتا تھا۔ اسے یہ  
بھی پتا نہیں چلتا تھا آج کل کون سا گانا ممبروں جا  
رہا ہے۔ مگر اس کا دل ضرور چاہتا۔ کاش وہ اپنے کاج  
کی مادرن ترین لڑکی بن جاتے۔ وہ جدید فیشن کے  
کپڑے پہنتے۔ اپنے لیے بال کسی اچھے سے اسٹائل  
میں تبدیل کر دے اور اس کے پاس خوبصورت بریڈ  
اور اچھی سی گولڈ کی چین ہو۔ نٹ نے ڈیزائن کے بہت  
سے ٹاپس اور ہر طرح کی نل پالش ہو مگر ایسا کچھ بھی نہیں  
تھا۔ مٹا اسے لائٹ پنک اور گولڈن کلر کے علاوہ کسی

اور کلر کی نل پالش استعمال نہیں کرنے دیتی تھیں۔ وہ  
بالوں کا صرف ایک ہی سلوہ سا اسٹائل بنا سکتی تھی۔  
ایک کے پاس محدود جیولری تھی۔ مہما ہر ماہ جو رقم اسے  
دیتی تھیں وہ تو اسے بھی اپنی مرضی سے خرچ نہیں کر  
سکتی تھی۔ اسے حساب دینا پڑتا تھا کہ کتنے پیسے کہاں

خرچ کیے۔

دل میں دوسری لڑکیوں جیسا بننے کا خیال ضرور  
آتا۔ وہ ان پر رشک بھی کرتی مگر یہ بھی جانتی تھی اگر  
مٹا اجازت دے بھی دیں تو وہ ایسی نہیں بن سکتی۔ وہ  
مٹا کی کڑی نگرانی کی عادی ہو چکی ہے۔ وہ اتنی بے وقوف  
ہے کہ ایک قدم بھی اپنی مرضی سے نہیں اٹھا سکتی۔ اس میں  
قوت فیصلہ کی شدید کمی ہے۔ اسے تو گھر میں لکے پھولوں  
کے گلوں میں سے اگر ایک ادھر سے ادھر لکھنا ہو تو پہلے  
مٹا سے مشورہ لیتی ہے، آیا وہ نہیں ٹھیک ہے یا ادھر  
اچھا لگے گا۔

کاج میں لڑکیاں اپنے عزیز رشتے داروں کی باتیں  
کرتی تھیں۔ وہ بہت چھوٹی تھی یہی کوئی تیسری جماعت  
میں پڑھتی تھی تب ایک بار اس نے مٹا سے پوچھا تھا۔  
لوگوں کی اتنی آنتیاں اور انکل ہوتے ہیں ہمارے  
رشتے دار کہاں ہیں؟۔

اور مٹا نے اسے بتایا تھا پوری دنیا میں تمہارا کوئی  
عزیز نہیں۔ اس لیے تم دوبارہ یہ سوال مت کرنا۔  
اور اس نے لپٹے پنچوں کی طرح سر اثبات میں ہلا  
دیا تھا۔

یہ علاقہ ایسا تھا کہ جوں ہی اسکول میں چھٹی ہوتی۔  
ویرانی چھا جاتی۔ صرف یہ چار گھر تھے مس شنا احمد کی نئی نئی  
شادی ہوئی تھی شوہر کی جاب کہیں اور ان کی اور وہ اس  
رہتیں۔ شوہر کو خط لکھتی رہتیں۔ مس شریا بانو عمر رسیدہ  
اور چڑچڑی ان سے بھلا کوئی کیا بات کرے اور مس  
صالحہ کے انتہائی بدتمیز شیطان کے چیلوں جیسے بچے  
ان کے گھر جانا اپنی شامت بلوانے کے مترادف تھا۔  
نذیراں ماسی سارا دن گھر کے کام نمٹاتی رہتی۔ مٹا  
فائلیں اٹھا کر گھر لے آتیں اور فی وی لاؤنج میں بیٹھ کر  
ہی ان پر نظر دوڑا کرتیں۔ جتنی دیر وہ کام کرتیں۔  
پریشیاں فی وی بھی نہیں لگا سکتی تھی اور اکثر یہ کام  
رات گئے تک جاری رہتا۔

وہ تنہا تو ہمیشہ سے رہی تھی مگر موسم گرما کی طویل چھٹیوں  
میں ملنے والی۔ تنہائی اسے بہت خوفزدہ کر دیا کرتی تھی۔  
چھٹی کے پہلے دن ہی تینوں خواتین نے سامان بانڈھا تھا  
اور اپنے اپنے رشتہ داروں کے ہاں چلی گئی تھیں، وہ گھر کی

digest novels lovers group

سے جھانک کر انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ مس صالحہ کے بچے کس قدر پُر خوش تھے۔ وہ کتنا شور کر رہے تھے۔ کیا انہیں اپنی ماں سے ڈر نہیں لگتا مس صالحہ ویسے تو کتنی سخت پتھر ہیں مگر اپنے بچوں کو کچھ نہیں کہہ رہیں اسے یاد آ گیا جب وہ ان بچوں کی عمر کی تھی تو مٹا کے سلنے اس کی آواز بھی نہیں نکلا کرتی تھی۔ اُسے مٹا کی ناراضگی کا خطرہ ہی لگا رہتا تھا اور تب مٹا شاید اب کے مقابلے میں کہیں زیادہ سخت مزاج تھیں۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“ حریفہ ربانی کی آواز پر وہ چونکی اور قبٹ کھڑکی سے پیچھے ہو گئی۔

”میں نے پوچھا تھا تم کیا دیکھ رہی ہو؟“ ان کی آنکھوں میں شک کی پرتھیں تھیں۔

”وہ مس صالحہ کے بچے، کس قدر شور کر رہے تھے اس نے پتھکچا کر کہا۔

”ہے حد بدتمیز بچے ہیں اور یہ مس صالحہ انتہائی بے وقوف مال ہے۔ اسے پتا ہی نہیں۔ بچوں کی پرورش کس طرح کی جاتی ہے، تم ہٹو کھڑکی کے سلنے سے اور اندر آ کر کچھ پڑھ بھی لو۔“

”آج تو چچی کا سلاون ہے ماما“ اس نے دبے لفظوں میں کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا، بہت لائق، جو جواب چھٹیاں منانے لگی ہو؟“

وہ خاموشی سے سر جھکا کر ڈرائنگ روم سے لاؤنج میں آ گئی۔ آف کس قدر گری ہے اور کتنی خاموشی بھی۔ کیا تقاضو یہ سب لوگ نہ جانتیں مگر کیوں نہ جانتیں۔ وہ کوئی ہماری طرح اکیلی تھوڑی ہیں۔

دوسرے کو کھانا کھا کر مٹا سو گئیں۔ اس نے موقع مناسب دیکھ کر ریڈیو لگا لیا اور بہت لمبی آواز میں سننے لگی۔ کبھی ایک جگہ بھی دوسری جگہ وہ سوئی گھاتی رہی۔ مڑا رہا تھا۔ مختلف آوازیں سننے میں۔ دوسرے ہر کوہ سوئی نہیں راسی کے ساتھ لگی رہی۔

شام ہوئی مٹھا کر کپڑے بدلے۔ کتابیں اٹھائیں اور پھر اسکول میں چلی آئی۔ سورج ڈھل چکا تھا۔ موسم میں وہ عادت نہیں تھی۔ اب یہاں بیٹھ کر آرام سے پڑھا جاسکتا تھا۔

اسے کتاب کھولے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ماسی نذیراں

چلی آئی۔

”تمہیں میڈم جی بلار ہی ہیں بے بی!“

”اچھا آتی ہوں وہ کتابیں وہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ آ گئی۔

”میں بازار جا رہی ہوں تم کو اگر کچھ منگوانا ہو تو بتا دو۔“

”میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟“ اس نے شدید خواہش کے ساتھ پوچھا۔

”نہیں کوئی ضرورت نہیں کبھی پڑھنے پر بھی دھیان دے دیا کرو۔“

”جی میٹک ہے۔ آپ میرے لیے لان کے دو سوٹ لیتی آئیے گا۔ اور ایک کا پنی بھی اور ہاں مٹا چند بیگٹ بکٹ کے بھی۔“

کیا بکٹ، اتنی گرمی میں ایسی چیزیں کھانا، اچھا لگتا ہے۔ آج کل تو ٹھنڈی چیزیں کھایا کرو، میں ترلوڑ بیٹی آؤں گی۔“

”ترلوڑ بھلا رات کو بستر پر لیٹ کر تو نہیں کھایا جا سکتا، اس نے سوچا ضرور مگر کہا نہیں۔

”مما چلی گئیں۔ وہ موقع غنیمت دیکھ کر ڈی لگا کر بیٹھ گئی۔ کوئی خاص پروگرام نہیں تھا مگر پھر بھی وہ بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔

حریفہ ربانی کافی دیر لگا کر واپس آئیں، تب تک نذیراں رات کا کھانا بھی تیار کر چکی تھی اور اب اس کے پاس میٹھی ادھر ادھر کے قہقے سنا رہی تھی۔ مٹا اس کے لیے دو سوٹ لے کر آئی تھیں۔ اسے ذرا بھی اچھے نہیں لگے۔

گہرا نیلا رنگ اسے پسند نہیں تھا اور ان دونوں سوٹوں میں گہرا نیلا رنگ موجود تھا۔ اس سے بہتر تھا۔ لائیں ہی نہیں۔ اس نے بے دلی سے سوٹ الماری میں رکھ دیے۔

”پسند نہیں آئے؟“ مٹا نے چہرے سے اندازہ لگایا تھا۔

”اس میں ڈارک بلیو پھول ہیں۔ مجھے یہ اچھے نہیں لگ رہے۔“

”یو نہیں خیرے مت کیا کرو۔ اتنا اچھا کمر ہے۔ اتنا خوبصورت پرنٹ ہے پتا نہیں کیا چاہتی ہو تم۔ کوئی چیز پسند ہی نہیں آتی۔ کس طرح تم نے الماری میں کھینک دیا۔ یہ بھی نہیں سوچا میں شوق سے لے کر آئی ہوں، تمہارے اس عمل سے

digest novels lovers group

مجھے محسوس ہو گیا۔ اسے فوراً اپنی زیادتی کا احساس ہوا۔  
 "اب کیا فائدہ؟" جلدیگر رہانی سر جھٹک کر اٹھ کھڑی  
 ہوئی۔

منا ناراض ہو گئی ہیں۔ اس کا دل جیسے کسی نے مسمیٰ  
 میں بکڑ دیا۔ وہ چپے ہلی آئی۔ ماسیڈ پر دوڑاڑ تھیں۔ ان  
 کے سروں کی طرف بیٹھ کر اس نے بار بار معافی مانگی۔ آخر  
 انہوں نے سر ہلا دیا اور بولیں۔ تکتی محنت کی ہے۔ میں  
 آپس بالکل احساس نہیں۔ تکتی محنت کی ہے۔ میں  
 نے تم پر۔ اپنی ساری توجہ تمہاری طرف لگا دی ہے تمہاری  
 خاطر اپنا آپ بھلا دیا ہے میں نے۔ اگر اب بھی تم میرا  
 احساس نہ کرو گی تو یہ میری ہی نہیں تمہاری بھی بد نصیبی  
 ہے زیادہ کھو۔ والدین سے بڑھ کر چاہنے والا اور کوئی  
 نہیں ہوتا۔ انہیں دکھ دینے والا کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔  
 آج تو تم قدر نہیں کر رہیں۔ کل جب میں نہیں رہوں گی  
 تمہارے لیے صرف بھٹا دے رہ جائیں گے۔  
 "منا! آپ ایسی باتیں مت کریں۔ بس آپ اور میں  
 رشتہ ساتھ رہیں گے۔"

یاد رکھو پر نیاں! بڑے جو بھی کرتے ہیں۔ وہ بہتر ہوتا  
 ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں تم اب اتنا ہی ہوئی رہتی ہو۔  
 نہیں تمنا! نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بس تنہا  
 ہوں۔ مجھ میں نہیں آتا کیا کروں تو اسکول کی طرف نکل جاتی  
 ہوں۔ اب سے اکتا جاؤں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے  
 لیے سب کچھ آپ ہیں! اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔  
 "فرار داسی بات پر رونے کیوں بیٹھ جاتی ہو۔ اپنا  
 دل مضبوط کرو۔"

انہوں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو ڈانٹنے  
 لگیں۔ پر نیاں نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے حالانکہ  
 اس وقت وہ رونا چاہ رہی تھی۔ دل بوجھل ہو رہا تھا  
 مگر اب بوجھ دل پر ہی رہ گیا۔ تمنائے رونے سے جو  
 منع کر دیا تھا۔

رات کا کھانا ان دونوں نے ایک ساتھ کھایا۔  
 ماسیڈ بالائی ایک بات یاد آگئی۔ وہ کھانے کے دوران  
 بات سنا کر رہیں اور پر نیاں پورے ذوق و شوق سے  
 سنتی رہی۔ دو تین بار وہ پیتا کے کسی جملے پر بے ساختہ

مسکرائی بھی مگر مابالکل سنجیدہ تھیں۔ اس روز اس نے  
 غور کیا۔ تمنا پیتا کی بات بہت سنجیدگی سے بنا کسی ہدایت  
 کے سنا کر رہیں۔ شاید یہ میرا وہم ہے۔ تمنا تو سہرا بات اسی  
 انداز میں کرنے کی عادی ہیں۔ اس نے اس خیال کو جھٹک  
 دیا۔

اگلے روز جلدیگر رہانی کو کہیں جانا تھا۔ ان کی ڈیڑھی  
 دو روز بعد تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں۔  
 "میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہ جاتی مگر مجبوری ہے خاص طور پر  
 انوائٹ کیا ہے۔ میرے بہت سے جاننے والے دوست  
 وہاں موجود ہوں گے۔ تم پریشان نہ ہونا۔ نذیراں تمہارے  
 پاس رہے گی۔"

"مگر ماما میں اکیلی!" اسے ابھی سے ڈر لگ رہا تھا۔  
 اکیلی کیوں کہہ تو رہی ہوں نذیراں! نہیں ہوگی۔ چوکیدار  
 بھی ادھر ہی ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے یہ علاقہ آبادی سے دور  
 ہے مگر محفوظ ہے۔ یہاں دفاتر ہیں اور رات کو ہر آفس  
 پر اس کے چوکیدار کا پہرا ہوتا ہے۔ تمہیں گھبرانے اور  
 ڈرنے کی ضرورت نہیں صرف دو روز کی بات ہے۔ میں  
 آ جاؤں گی۔"

ان کا انداز حتمی تھا۔ وہ کسی حال میں بھی رکنے کو تیار  
 نہیں تھیں۔ پر نیاں نے کچھ اور کتنا فضول ہی سمجھا۔  
 ماسیڈ بہتر تک تو تیاری میں لگی رہیں پھر انہیں لینے  
 گاڑی آگئی اور وہ چلی گئیں۔

"کتنا فرق پڑتا ہے تمہارے جانے سے۔" اسے یہ  
 گھر بہت اداس اور پرایا سا لگنے لگا تھا۔  
 "بے بی! آج کیا پکاؤں آپ کے لیے؟" وہ ڈی وی  
 آن کر کے بیٹھی تھی جب نذیراں چلی آئی۔  
 "ماسیڈ! کیا خیال ہے آج میں بھی کچن میں چلتی ہوں؟"  
 دونوں مل کر کھانا بنائیں گے۔ "اچانک اس نے فیصلہ  
 کر لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

ماسیڈ کو بس سیدھے سادے روایتی کھانے بنانا  
 ہی آتا تھا۔ پر نیاں نے کباب اور چاول بنانے کا فیصلہ  
 کر لیا۔ کل مرغ بنا تھا اور ابھی تک فرج میں رکھا تھا۔  
 ساتھ میں یہ بھی چلے گا۔ وہ ماسیڈ سے پوچھ کر کھانا بناتی  
 رہی۔ فارغ بیٹھنے سے کہیں بہتر ہے میں ان چھٹیوں

میں کچھ سیکھ ہی لوں۔ ویسے جدیدیت کو اس کا پن میں جانا کچھ پسند نہیں تھا۔ وہ کہتی تھیں۔ ان کاموں کے لیے تو عمر بڑی ہے۔ ابھی تم صرف اپنی تعلیم کی طرف توجہ دو۔ کھانا بنا کر اس نے ٹیبل لگائی۔ ماسی کو بھی ساتھ ہی بٹھالیا۔ کام کرتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا اور کتنا مزا آیا یہ سب کرتے ہوئے۔ میں مہاسے کہوں گی کم از کم ان چھٹیوں میں مجھ کو پن میں جانے کی اجازت ضرور دے دیں۔

بچ کے بعد کچھ دیر اس نے اخبار دیکھا پھر سو گئی۔ شام کو نذیراں نے اسے جگایا۔  
”اچھا ماسی! میں نہالوں۔ تم ایک گلاس اسکوائش تو بناؤ بلکہ لیسنے لیے بھی بنالینا۔ ہم مل کر پیئیں گے۔“  
اس کے جانے کے بعد وارڈروب کھولی۔ کپڑے دیکھے تقریباً ہر سوٹ میں گہرا نیلا رنگ موجود ہے۔ پتا نہیں ماما کو یہ رنگ اس قدر پسند کیوں ہے۔ منہ بنا کر ایک سوٹ نکال لیا۔

شاہر لے کر وہ باہر آئی۔ نذیراں نے صحن دھو دیا تھا کپڑوں میں پھول پتے بھی نہلے دھوئے اور سر ہیز تھے۔ چھوٹے سے صحن میں کپڑی کے قریب دو کرسیاں اور چھوٹی سی میز تھی جس پر جگ میں اسکوائش اور ساتھ شیشے کے دو گلاس تھے۔ مہاشام کو چائے پینے کی عادی تھیں۔ گرمی ہو یا سردی وہ شام کو چائے ہی پیتی تھیں۔ ساتھ پریناں کو بھی پینی پڑتی تھی۔ حالانکہ گرمی کے موسم میں چائے اسے بالکل اچھی نہیں لگتی تھی۔ آج چائے نہ پینے پر بڑی خوشی ہو رہی تھی اسے۔

اس نے ماسی سے بہت ساری باتیں کیں۔ اس کی نہیں یہاں تک کر اندھیرا پھیلنے لگا۔ وہ اندر آئی اور ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔ اس وقت اچھے پروگرام آرہے تھے۔ اس سے پہلے اس نے اس ناٹم پر کبھی ٹی وی نہیں لگایا تھا۔ کیونکہ ممانے یہ ناٹم اس کے پڑھنے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اسے ہر حال میں اس وقت پڑھنا ہوتا تھا۔ مگر آج کتنا مزا آ رہا تھا۔

”سارا دن میں نے کچھ نہیں پڑھا۔ کیسی آزادی محسوس ہو رہی ہے۔“

صبح ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھی تھی کہ ماسی نذیراں آگئی اور بولی۔

”دھوپ زرد ہے۔ آج آندھی آئے گی جس میں بہت ہول رہے۔ آسمان گدلا سا ہے۔“  
”اوہ آندھی سے مجھے سخت نفرت ہے۔ ہر طرف دھول مٹی تم دروازے کھڑکیاں اچھی طرح بند کر دو۔“  
سننے ہی اس کا موڈ بڑی طرح خراب ہوا۔ باہر گر دھکی واقعی دھوپ زرد تھی۔ آسمان گدلا تھا۔ آج شام ضرور آندھی آئے گی۔

ناشتے کے بعد وہ اندر آگئی۔ سوچا کل میں نے کچھ نہیں پڑھا آج پڑھ لینا چاہیے۔ مگر کتابیں تو ٹیبل پر موجود ہی نہیں۔ پھر اسے یاد آیا کتابیں وہ اسکول میں چھوڑ آئی تھیں۔ وہ ادھر چلی آئی۔ وہی خاموشی، سر جھکائے ہوئے درخت اور پودے اور درختوں پر بیٹھے خاموش پرندے وہ ادنیٰ آواز میں گیت گاتی برآمدے کی سیڑھیوں پر آئی اور یوں ہی گاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ کچے فرش پر اس کے قدموں کی بڑی واضح چاپ اُبھری۔

”کون ہے؟“ وہ چونکی۔ گانا رگ گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا کوئی نہیں تھا۔ اسی وقت درختوں کے شیشے جو کچھ در پہلے ساکت تھے تھوڑی حرکت کرنے لگے۔ وہ آندھی جس کے بارے میں اس کا اندازہ تھا۔ شام تک آئے گی وہ تو کہنے ہی والی تھی۔ مجھے جلدی سے کتاب میں اٹھا کر گھر چلے جانا چاہیے۔ ورنہ مٹی میں اٹ جاؤں گی۔ مگر اسے یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اُس روز کتابیں رکھی کہاں تھیں تلاش میں کچھ دیر لگی تب تک آندھی زور پکڑ چکی تھی۔  
”اُف اتنی تیز اور گرم ہوا! اُس کا چہرہ ملنے لگا تھا۔ کتابیں اٹھا کر وہ تقریباً دوڑ پڑی۔

کوئی ہے جو اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ مڑ کر دیکھا ماسی ملے سائنس روم کی کھڑکی ایک دھماکے سے کھل گئی۔ سامنے شیشے کی الماری اور اس میں انسانی ڈھانچہ کمرے کی تاریکی اور باہر ہوا کا شور یوں جیسے سیلیاں سی بج رہی ہوں۔ درختوں کی جھومتی شاخوں کی آوازیں اسے لگا اُس ڈھانچے نے کچھ کہا ہے اور وہ الماری کھول کر باہر آنے لگا۔ کتابیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ وہ اندھا دھند دوڑ پڑی۔

پھر جو نہیں اسے ماسی نذیراں ادھر آتی دکھائی دی۔ ہمت جواب دے گئی۔ اسے سامنے پا کر اسے اپنے غمناک

ہونے کا خیال ہوا اور گر پڑی۔  
 "بے بی! کیا ہوا تمہیں؟" نذیراں جلدی سے قریب آئی۔  
 سہارا دے کر اسے اٹھایا اور گھر لے آئی۔ بہت دیر کے بعد  
 اس کے حواس بحال ہوئے اور وہ رونے لگی۔  
 "ماسی! اگر تم نہ آتیں تو کیا ہوتا۔ وہ مجھے کھا ہی لیتا۔  
 میری توجہ نہ نکلتے والی تھی اگر تم نہ آتیں میں مرجاتی!"  
 "آخر ہوا کیا؟ تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو بے بی؟" ماسی  
 اسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔  
 "وہ سن سکتا ہے۔ وہ دوز سکتا ہے۔ میں نے پہلے بھی

کئی بار برآمدوں میں اپنے پیچھے اس کی آہیں سنی ہیں۔  
 "کون؟ تم کس کی بات کر رہی ہو؟" مگر وہ بتا نہیں  
 سکی۔ اسے اس ذکر سے خوف آتا تھا۔  
 "ماسی! تمام دروازے کھڑکیاں اچھی طرح بند کر دو۔  
 ہم کتنے اکیلے اور بے بس ہیں۔ ہم دونوں بہت کمزور  
 ہیں!"

"بے بی! اگر تم کہو تو چوکیدار کو ادھر بلا لو!"  
 "نہیں نہیں، ہمیں اسے بلانے کے لیے اسکول سے  
 گزرنا پڑے گا۔ میں بھی اکیلی نہیں رہ سکتی۔ بس تم ادھر  
 میرے پاس بیٹھی رہو!"  
 "تم پانی پی لو دیکھو تو کیسی پیلی ہو رہی ہو!"  
 "میں پی لوں گی بس میرے پاس بیٹھی رہو۔ یہاں سے  
 کہیں نہ جانا!"

باہر اندھی چلتی رہی اور وہ گھنٹوں میں سر دیے بیٹھی  
 کانپتی رہی۔

"بے بی! اگر میوں کے موسم میں اندھیاں تو آتی ہی ہیں  
 آخر اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے؟" نذیراں کو اس  
 کا خوف عجیب لگ رہا تھا۔  
 "کوئی اور بات کرو ماسی!"

"شاید تم رات ٹینک سے سوئی نہیں ہو بے بی! سونے  
 کی کوشش کرو، طبیعت ٹھیک ہو جائے گی!"  
 "اُف پتا نہیں مما کب تک آئیں گی۔ کیا ہی اچھا ہوتا  
 جو وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتیں!"

"ادا اس ہو رہی ہو، وہ آج شام کو آ ہی جائیں گی انہیں  
 بھی پتا ہے۔ تم ان کے بغیر نہیں رہ سکتیں!"  
 تقریباً چالیس منٹ کے بعد اندھی کا طوفان ختم گیا اور

ہر طرف گہرے بادل چھا گئے۔  
 "بے بی! اندھی ختم ہو چکی ہے، میں ذرا گھر کی صفائی  
 کر لوں۔ بارش ہونے والی ہے پھر صفائی مشکل ہو جائے  
 گی!"

پرنیاں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اندھی  
 کا شور مچتے ہی اس کا خوف ذرا کم ہونے لگا تھا۔ نذیراں  
 نے ساری کھڑکیاں، دروازے کھول دیے اور جلدی جلدی  
 جھاڑ پونچھ شروع کر دی۔

کمرے صاف کرنے کے بعد وہ صحن کی جانب متوجہ ہوئی  
 جاتی تھی۔ بارش سے پہلے اندھی سے آنے والے ٹوکے

پتے اور تنکے سب یہاں سے اٹھا دے۔ وہ کام میں کافی  
 بھر بیٹھی تھی۔ یہ سب کچھ کرنے میں اس نے زیادہ ٹائم نہیں  
 لیا۔ گھر کی صفائی کے بعد وہ صحن کی جانب متوجہ ہوئی۔

اگرچہ اندھی سے پہلے اس نے تمام کمرے اور صحن بند کر  
 دیا تھا مگر پھر بھی ہلکی سی گرد کی تہہ یہاں وہاں دکھائی  
 دیتی تھی۔ اب وہ صحن صاف کر رہی تھی اور پرنیاں اس  
 کی دایپی کی منتظر بیٹھی تھی۔ وہ اپنے ذہن سے اس بات  
 کو جھٹکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی مگر اسے مکمل ناکامی  
 کا سامنا تھا۔

اس وقت دن کے گیارہ بجنے کو تھے مگر بادلوں نے  
 اندھیرا کر دیا تھا۔ گہری تاریکی شام کا بتا دیتی تھی۔ اُن  
 اگر موسم خراب ہو گیا تو مہا کیسے آسکیں گی۔ کہیں وہ ایک  
 روز کے لیے رُک نہ جائیں۔ میں تو نہیں گزار سکتی یہ رات  
 اُن کے بغیر۔ میرا تو ضرور دم نکل جائے گا۔ انہیں آج  
 ضرور آ جانا چاہیے۔

"بے بی! تم نہالو! ماسی سارے کام ختم کر کے آچکی  
 تھی۔ اس نے اپنے سر پرے پر نگاہ ڈالی۔ اندھی نے واقعی  
 حشر کر دکھا تھا۔ اسے خود سے اُلجھن ہوئی۔ اور جھپٹ اُٹھ  
 کھڑی ہوئی۔ کیڑے نکلے اور واش روم میں گھس گئی  
 جب وہ نہا کر نیکلے بال تو لیے۔ میں پلیٹے ہوئے باہر آئی  
 تو اسے ماسی کہیں بھی دکھائی نہیں دی۔

"ماسی! اس نے ہولے سے پکارا۔ جواب نہ در۔  
 اب ذرا اونچی آواز دی۔ نتیجہ صفر۔ اور اچانک اس کا حلق  
 خشک ہو گیا۔ اسے محسوس ہوا۔ بدن بہت بھاری ہو  
 گیا ہے۔ وہ چلنے میں دقت محسوس کر رہی ہے۔ ہاں  
 اُس کی آنسو بھری آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔

ان میں حیرنی اور خوف کی بڑی ہی واضح کیفیت تھی۔ کیا ماسی یہاں سے جا چکی ہے کوئی اُسے لے گیا ہے۔ اپنے سمیت، خوفناک ہاتھوں میں دبوچ کر۔ اسی دم بادل زور سے گرجا اور بارش شروع ہو گئی۔ کال بیل کی آواز کوئی آیا ہے۔ اس وقت دوسرا ہٹ کے خیال نے اسے جھلک بخش دیا۔

بیل کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ حیرنی سے باہر نکل اور سردی دروازے کی جانب پلکی۔ اس نے پوچھے بغیر ہی دروازہ کھول دیا اور آنے والے کو سوالیہ مگر بڑے پرسکون انداز میں دیکھا۔

کیا مدلیقہ خالہ کا یہی گھر ہے؟ آنے والا بہت ہی اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا انداز بہت اچھا اور اس کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

آپ کون ہیں؟ اُس نے خالہ کہا تھا۔ وہ مٹا سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ یقیناً قریب ہی مگر وہ لے بالکل نہیں جانتی تھی۔

میرا نام مائٹ ہے اُس نے یوں بتایا جیسے یہ نام سن کر وہ بے اختیار اپنائیت سے مسکرائے گی اور ہاتھ پکڑ کر اسے گھر کے اندر لے جانے کی۔

کون مائٹ؟ وہ حیران ہوئی۔

یہ گھر مدلیقہ ربانی کا ہی ہے؟ وہ اُسے نہیں جانتی لڑکا حیران تھا۔ اور یہی سمجھا شاید غلط گھر ہو گیا ہے۔ جی ہاں۔ میری مٹا کا ہی نام ہے۔

اودہ تم خالہ کی بیٹی ہو؟ وہ حیران بھی تھا اور خوش بھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

ہٹو۔ مجھے اندر تو آنے دو۔ بارش بس تیز ہو چاہتی ہے۔

تمنا گھر پر نہیں ہے؟ وہ یوں ہی دروازے پر کھڑی رہی۔

اچھا وہ فدا کا پھر بولا۔ گھر میں اس وقت کون کون ہے؟

بس میں اور ماسی نذیراں۔

ماسی نذیراں کے ذکر پر اسے یاد آ گیا۔ وہ تو غائب ہے۔ میں تو اکیلل ہوں۔ موسم کیسا طوفانی ہو رہا ہے اور کسی کس کوئی مجھے ماسی نذیراں کی طرح غائب کر

سکتا ہے۔ یہ جو کوئی بھی ہے انسان تو ہے اور مٹا کا واقف کل بھی، جتنی دیر تک مٹا نہیں آتیں میں اسے گھر پر بٹھالیتی ہوں۔ اکیللی رہی تو خوف سے مرجاؤں گی۔

آپ واپس مت جائیں۔ دیکھیے مٹا آج شام تک تو ضرور ہی آجائیں گی۔ آپ پلیئر اندر آئیں؟ اُس کے ہلچے میں اس قدر التجا تھی کہ مائٹ حیران ہوئے بغیر رہ نہیں سکا۔

نہیں۔ مجھے تو ضروری کام ہے۔ میں تو بس انہیں سلام کرنے آیا تھا۔ اس نے جو اس کا اصرار دیکھا تو غصہ کیا۔ پلیئر، آپ رک جائیں۔ پر نیاں نے ایک دھماکا باز دھپکڑ لیا اور سسکی بھر کر بولی: میں بہت دیر رہی ہوں۔ یہ جگہ بالکل محفوظ نہیں۔ یہاں ایک بھوت رہتا ہے اور میرا خیال ہے۔ اسی نے مائٹ کو کھالیا ہے۔ آخری فقرے کے بعد اُس نے اچھا غماز و ناشر شروع کر دیا۔

جن بھوت؟ مائٹ نے بے یقینی سے دہرایا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور چہرے پر ہتھوڑ کر روتے ہوئے بولی۔

وہ روز میرا پیچھا کرتا تھا مگر مجھے خیال ہی نہیں آتا تھا۔ مگر آج، آج تو عجیب واقعہ ہوا۔ اگر ماسی نہ آجاتی تو میں مرجاتی۔ اودہ بے چاری ماسی ابھی وہ اُس کی بیٹھ چڑھ گئی ہے۔ میں بالکل اکیلل ہوں۔ آپ مت جائیں پلیر جب تک مٹا نہیں آتیں۔ تب تک کے لیے ہی رک جائیں۔ اُس کے رونے میں تیزی آتی جا رہی تھی۔

آہ یہاں بھی جن بھوت ہیں؟ مائٹ نے بے حد تھکن اور افسوس سے آہ بھری تھی۔

کک۔ کیا مطلب؟ یہاں بھی؟ وہ چوٹی اور۔ آنسوؤں سے بھیسگا چہرہ اوپر اٹھایا۔

جہاں سے میں آیا ہوں وہاں بھی بھوت رہتے ہیں۔ تین عدد۔ ایک بوڑھا ایک جوان اور ایک بچہ بھی۔ پلیئر آپ اندر آجلیئے اور جلدی سے دروازہ بند کر دیں۔

اچھا۔ میں گاڑی اندر کر لوں؟ وہ اس کی بات مان گیا تھا۔ پر نیاں کو کچھ تسلی ہوئی۔ گھر کے کٹ کھولا۔ اُس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کٹ کھولا۔ اُس نے

گھاڑی اندر لاکر کھڑی کی پھر پھلی سیٹ پر رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور باہر آکر لاک لگاتے ہوئے بولا  
 ”جگہ تو بڑی خطرناک ہے مگر میں ایک رحم دل انسان ہوں۔ آپ کو اس مشکل گھڑی میں اکیلا چھوڑ دینا میرے دل نے گوارا نہیں کیا۔ اس لیے میں یہاں رہنے پر تیار ہو گیا ہوں۔“  
 آپ کی بہت بہت مہربانی پر نیاں بہت سکون اور ممنونیت سے مسکرائی۔

مانب نے ذرا کی ذرا مگر بہت بھرپور نگاہ اس پر ڈالی اور اندر چلنے کا اشارہ کیا۔  
 ابھی وہ چند قدم ہی چلے تھے کہ لاؤنج کا دروازہ کھل کر ماسی نے جھانکا۔

”ہائے ماسی! پر نیاں مائے خوشی کے چلائی پھر دوڑتی ہوئی ماسی تک گئی اور اس کے گلے لگ گئی۔  
 مانب سمجھ گیا۔ یہی وہ خاتون ہیں جنہیں یہ لڑکی بھوتوں کے حضور پہنچا چکی تھی۔

بارش میں ابھی تیزی نہیں تھی۔ اکاؤنٹا مگر موٹے قطرے پڑ رہے تھے۔ وہ ان کے قریب آیا اور بولا۔  
 ”مئی زندگی مبارک ہو اے مہربان چہرے والی خاتون! ماسی کچھ سمجھی نہیں۔ وہ تو پر نیاں کے یوں چھٹنے پر ہی حیران ہو رہی تھی اوپر سے نووار کی گفتگو کا انداز اور الفاظ۔

”ماسی! تم کہاں چلی گئی تھیں؟“ آخر پر نیاں اس سے الگ ہوئی اور آنسو پونچھتے ہوئے سوال کیا۔  
 ”آئی تو جھاڑ پونچھ کی میں نے، خوب ہی میرے پور مٹی پڑی۔ میں فارغ ہوئی تو سوچا نہایتی ہوں۔ نہانے ہی گئی تھی۔ کیوں کیا ہوا اور یہ صاحب کون ہیں؟“  
 پر نیاں کے کچھ کہنے سے پہلے مانب بولا۔

”یہ تو آپ کو بھوتوں کا نوازہ قرار دے چکی تھیں میں آپ کی اس اندوہناک وفات پر افسوس کرنے ہی حاضر ہوا تھا اور یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ تو فم تک تو ضرور سی یہاں رہ کر ہو مل کا کرایہ پنجاؤں گا مگر افسوس آپ تو زندہ سلامت ہیں اور صحت دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے۔ ایک بھوت کے بس کا روگ نہیں کہ آپ کو لے جاسکے۔ اس کے لیے پوری بنالین کی ضرورت ہوگی اور یہ تیار ہی ہیں، وہ قسمت کا مارا ہے یا ایک ہے!“

”بے بنائی کون ہیں، کیوں آئے ہیں یہاں؟“ ماسی نے پریشان ہو کر پر نیاں سے پوچھا۔  
 ”میں مسٹر حدیث ربانی کا مہمان ہوں! مانب نے خود ہی بتا دیا۔

”وہ تو گھر پر نہیں!“ ماسی نے کم صاحب کی غیر موجودگی میں کسی جوان جہان لڑکے کو گھر میں بٹھاتے ہوئے ہوئے کچھ گھبراہٹ سی تھی۔

”نہیں ہیں تو آجائیں گی۔ اب میرا وقت اتنا بھی قیمتی نہیں۔ میں انتظار کر سکتا ہوں۔“ اس نے کہتے ہوئے دروازہ میں کھڑی ماسی کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف کیا اور اندر چلا گیا۔

”آگاہ تو بڑا صاف ستھرا اور قرینے والا ہے۔“  
 ”آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں، ماسی اندر آنے خشک لہجے میں کہا۔

”ڈرائنگ روم بھی دیکھ لیں گے یقیناً آپ میرے منہ سے ایک ایک کمرے کی تعریف کروانا چاہ رہی ہیں۔ تسلی رکھیں ابھی تو یہیں ہوں، اور پلیز چائے پلوایں اچھی سی!“  
 ”ہاں ماسی! چائے لاؤ یہ تمہارے مہمان ہیں، لگتا ہے بہت اچھی طرح جان پہچان ہے تمہارے!“ اس نے دبیر سے بتایا۔

ماسی نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا کر کوئی پس چلی گئی۔

”تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں بہادر لڑکی؟“ وہ پر نیاں کی طرف متوجہ ہوا۔

”بہادر لڑکی کہنے پر وہ کچھ شرمندہ ہوئی اور بولی۔ آپ شاید سمجھ رہے ہیں کہ میں خواجہ خواجہ ڈر رہی ہوں، حالانکہ میں نے جو کچھ بتایا وہ بالکل سچ ہے۔“

”مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں بلکہ مجھے تو یہ خیال آ رہا ہے۔ عین ممکن ہے یہ ماسی نہ ہو بلکہ ماسی کی روح ہو۔ جنہیں ہم سے بہت پیار ہوتا ہے۔ وہ مگر کبھی ہمارا خیال نہیں چھوڑ سکتے۔ ماسی کو پتا تھا پتی گھر میں اکیلی ہے یقیناً ان کی روح نے انسانی جسم اختیار کیا اور یہاں پہنچ گئی، تمہارے پاس!“

اگر پر نیاں گھر میں اکیلی ہوتی اور تب ماسی کو دوبارہ سامنے دیکھ کر یہ خیال سوچنا تو یقیناً قہر جاتی۔ بے ہوش بھی ہو سکتی تھی، مگر اب وہ بھی موجود تھا۔ ہنس بول

رہا تھا جس سے گھر کا سناٹا ٹوٹ گیا تھا اور یہ نیاں خود  
کو کافی با اعتماد محسوس کر رہی تھیں۔ اس نے مائٹ کی بات

ماننے سے انکار کر دیا۔  
"ہام تو بنا دو اپنا ساتھ میں مقور تعارف بھی ہو  
جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

میرا نام پر نیاں ہے اور میں سینڈ ایر میں پڑھتی  
ہوں۔ اب آپ بتائیں، آپ کون ہیں اور تم سے کیوں  
مٹا چاہتے ہیں۔"

میرا خیال ہے میں پہلے بھی بتا چکا ہوں میرا نام  
مائٹ ہے اور میں سخت حیران ہوں کہ خالہ نے میرے  
بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتایا؟۔"

کیا میری مائٹ کسی رشتے سے آپ کی خالہ لگتی ہیں،  
یا آپ یونہی انہیں خالہ کہہ رہے ہیں۔ میرا مطلب  
یہ ہے کہ۔"

جو بھی مطلب ہے، میں سمجھ گیا ہوں۔ بس آئیے  
دو اپنی مائٹ کو پھر جواب ملے گا نہیں۔"

انہی میں ماسی چائے لے آئی، اور مائٹ نے  
ان کی آواز میں پر نیاں سے کہا۔

"دیکھو، ان کا رنگ کافی زرد سالگ رہا ہے انسانی  
چہرے کا یہ رنگ تو نہیں ہوتا۔"

یہ میری ماسی ہے، مجھے پورا یقین ہے، آپ ڈرانے  
کی کوشش مت کریں، اس نے ماسی کے چہرے کی جانب  
دیکھنے سے گریز کیا۔ اور یہ حرکت مائٹ نے دیکھ  
لی اور بولا۔

"میں ڈرانے کی کوشش کب کر رہا ہوں، اصل  
میں خود میرا سامنا بھی کسی بار بھوتوں وغیرہ سے ہو چکا  
ہے میں ان کی نفسیات خوب سمجھتا ہوں۔"

"مجھے بھوتوں کی نفسیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔  
پلیئر آپ کوئی اور بات کریں۔" وہ اس ذکر سے گریز ال  
گئی۔

"آپ کب تک رہیں گے یہاں؟" نذیراں نے بات  
کالی۔

"کیوں ارادہ کیا ہے کہ میں آپ وہ تو نہیں، مجھیں  
بلکہ کہ آگئی ہوں۔" مائٹ کا انداز پراسرار تھا۔

"کون وہ بے بی؟ یہ بڑا کیسی عجیب باتیں کرتا ہے،  
تم کو معلوم تھا سیکم صاحب گھر پر نہیں، اندر کیوں آنے  
دیا؟۔"

"پلیئر آپ میں ڈرانے کی کوشش مت کریں۔"  
پر نیاں نے ماسی کے چہرے کی جانب دیکھا تھا وہاں  
کوئی غیر معمولی زردی نہیں تھی، وہ اب پوری طرح مطمئن  
تھی۔

"باہر بارش بہت تیز ہے، ایسے موسم میں بکھوڑے  
کھانا کتنا اچھا لگتا ہے۔" مائٹ خالی پیائے دیکھ کر کہہ  
رہا تھا۔

"بیسن نہیں ہے، ماسی نے قبوٹ بولا۔ وہ پر نیاں  
کو تنہا اس کے پاس نہیں بیٹھنے دینا چاہ رہی تھی۔

"تو کوئی بات نہیں، چپس بھی چلیں گے کیوں پری،  
چپس اچھے لگتے ہیں ناں؟"

پری، اسے سمجھی کسی نے پری کہہ کر مخاطب نہیں کیا  
تھا، سب پر نیاں ہی کہتے تھے، مگر اتنی اپنائیت پیار  
اور دوستانہ انداز میں اس کا پری کہنا اچھا لگا۔

"کیا آپ تارے۔ شے دار ہیں؟" مٹانے ہی بتا  
رہا تھا، ان کا کوئی رشتہ دار نہیں، مگر وہ سوچ رہی  
تھی، ہو سکتا ہے بہت دور کا ہو۔ آخر بغیر رشتوں کے  
تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ قریبی نہ سہی دور کے تو ہوتے ہی  
ہیں۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں۔ جواب کیا آرہا ہے؟۔ وہ  
خفا ہو رہا تھا۔

"ہاں چپس اچھے ہوتے ہیں۔"  
"چلیے ماسی ڈیر چپس بنائیے۔" اس نے بڑے  
پیار سے فرمائش کی۔

ماسی بڑبڑاتے ہوئے اٹھی۔  
"ساتھ میں نما لو کیچ پ بھی لیتی آئیے گا۔ اس کے  
بغیر کھاؤں تو مجھے الرجی ہو سکتی ہے، یہ رائے ڈاکٹر  
کے بورڈ کی ہے، پلیئر عمل ضرور کیجیے۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" پر نیاں نے اس  
کی بات پر تسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دروازے سے اور کہاں سے؟" وہ چائے کی جانب  
متوجہ ہوا، "نہیں میرا مطلب ہے کہ دروازے سے پہلے  
وہ کھٹکھٹائی۔"

”دروازے سے پہلے روڈ پر“ اس نے چائے میں مزید چینی شامل کی۔

”نہیں میرا مطلب تھا کہ“

”پری! آپ لوگ کب سے اس شہر میں ہو؟“ اس نے بات کاٹ کر سوال کر دیا۔

”ہم لوگ تو بہت سالوں سے یہیں پر ہیں۔“

”اچھا! مائٹ کو شاید بہت زیادہ حیرت ہوئی تھی کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گیا، اور اس کے چہرے پر

بہت سنجیدگی بھی چھا گئی۔

”کیا آپ کو میری مٹا سے کوئی کام ہے؟“ پر نیاں نے اس خاموشی کو توڑا۔

”کام، ہاں کہا جاسکتا ہے۔“ وہ ادھر متوجہ ہوا اور پھر سے اس کا چہرہ مسکراتے لگا۔

”کہا جاسکتا ہے،“ سے کیا مطلب ہے آپ کا آپ صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے؟“ اس نے قدرے جھلا کر کہا۔

”سراپا صاف کرنے کی ہوتی بھی نہیں، اور کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو ایک وقت پر آکر خود ہی صاف ہو جاتی ہیں۔“ یہ کون سی قسم ہے؟ پر نیاں مسکرا کر مذاق کے رنگ میں بولی۔

”جو اپنے وقت پر خود ہی عیاں ہو جاتی ہیں تم گھبرائو نہیں بہادر لڑکی! معاملہ بہت جلد صاف ہو جائے گا۔“

”آپ مجھے بہادر لڑکی مت کہیں۔“ اسے شرمندگی ہوتی تھی۔

”رات کو کھانے پر کیا پکے گا؟“ اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

”پتا نہیں۔ ویسے ابھی تو لنچ ٹائم ہے۔“

”میں لنچ نہیں لوں گا، کچھ دیر سونا چاہتا ہوں، مجھے کمراد کھا دیں۔“

”کمراد کوئی نہیں۔“ اس نے اطمینان سے شلنے اچکا مئے۔

”کیا مطلب، یہ جو اتنی بڑی عمارت ہے، یہ کیا نظر کا دھوکا ہے؟“ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

پر نیاں نے پلکیں جھٹکالیں، مائٹ مسکرا دیا کتنی معصوم ہے مدنیہ خالکی بیٹی! میں نے کبھی ایسی لڑکی نہیں دیکھی، بالکل بچوں کے انداز میں باتیں کرتی ہے، اور ایسے میں اس کی آنکھوں میں بھی وہی بچوں کا سا تاثر اتر آتا ہے۔ گلابی رنگت والی یہ لڑکی جو سر پر ابھی تک ٹاول لپیٹے ہوئے تھی، اور جس کی پلکیں بہت گھنی اور لمبی تھیں، ان کا اٹھنا جھکنا بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی رنگت چمک دار برائون تھی۔ اور وہ تقریباً پانچ فٹ دو انچ قد کی دہلی سی لڑکی تھی۔ پر نیاں

نے پھر پلکیں اٹھائیں، ادھ اب بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں بہت دوستانہ اور مشتاقانہ رنگ لیے ہوئے تھیں، اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

”کیا ہوا ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ اس نے پوچھ لینا ہی بہتر سمجھا۔

”تو پھر کیسے دیکھوں؟“ اس نے حیرت کا جھوٹ موٹ اظہار کیا۔

”صاحب! آپ کب تک بٹھریں گے؟“ ماسی نے اندر آتے ہی خشک لہجے میں سوال کیا۔ مائٹ فوراً ادھر متوجہ ہوا۔ پیر جوتوں سمیت سینئر ٹیبل پر رکھے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائی اور پھر بولا۔

”ابھی تو والیسی کا کوئی پروگرام نہیں پھر دیکھو ناں بارش بھی تیز ہو گئی ہے۔ بجلی کرڈک، دل ہلا دینے والی بادل کا شور اعصاب تباہ کرنے والا اور ہواؤں کی چیخیں دماغ خراب کر دینے والی ہیں۔ پھر پری کا بھی اصرار ہے کہ میں یہاں رک جاؤں۔“

”مگر یہاں تو کوئی جگہ نہیں ہے، اور پھر آپ رک کر کریں گے بھی کیا۔ آپ کو بیگم صاحب سے ملنا تھا۔ وہ گھر پر ہیں ہی نہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔ میں بڑا ملنسار بندہ ہوں۔ بیگم صاحب گھر پر نہیں تو کیا ہوا، آپ دونوں تو ہیں، اور مجھے آپ لوگوں سے مل کر بھی کافی خوشی ہو رہی ہے۔“ پھر بات کرتے کرتے پر نیاں کی طرف متوجہ ہوا کارن کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

”انگل رتانی کی تصویر یہ ہے ناں۔؟“

اس نے پورے زور سے اثبات میں سر ملایا اور بولی۔ "اُدھ تو کیا آپ میرے پتیا کو بھی جانتے ہیں، کیا آپ ان کے دوست ہیں؟" پھر خود ہی بولی۔ "نہیں دوست کیسے ہو سکتے ہیں، آپ تو بہت چھوٹے ہیں ان سے" اور انہیں انکل بھی تو کہہ رہے ہیں۔  
 "واہ کتنی ذہین ہیں آپ!" اس نے آنکھیں نیچا کر دلو دی، اور ماسی کو نظر انداز کر کے لقویر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔  
 "مگر پہلے تو آپ کو کبھی یہاں نہیں دیکھا۔ میں چھ سال سے ان کے ساتھ ہوں۔"

ڈرامنگ روم میں صوفے پر سو جائیں۔  
 "واہ آپ کے ہاں مہمانوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے کیا؟"  
 "پتا نہیں، ہمارے ہاں اتنی دیر رہنے کے لیے تو کوئی مہمان کبھی ایسا ہی نہیں، اور میں آپ کو منع کر رہی ہوں، تو اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔ مہمان مجھے اپنے بیڈ پر ہونے کی اجازت نہیں دیتیں، انہیں پسند نہیں، کوئی ان کے کمرے میں زیادہ آئے جاتے اور ان کے بیڈ کو استعمال کرے۔"  
 "تم نہاتی کم ہو گئی، اس لیے انہیں اچھا نہیں لگتا ہو گیا۔"

"جی نہیں، میں دن میں دو بار شاور لیتی ہوں۔"  
 جواب میں مائٹ نے از حد شامہ کو سر ملایا اور بولا۔

"تب پھر خالہ کو صفائی ستھرائی سے الرجی ہو گئی، وہ کمرے کی جانب بڑھا۔  
 پر نیوں نے پھر رکنے کو کہا۔" دیے اگر آپ صوفے پر ہی سو جائیں تو کیا بُرائی ہے۔"

"صوفے پر ایک نوہیں پورا نہیں آؤں گا، نا انگلیں اگر الگ ہو سکتیں۔ تب تو ایسا ممکن تھا، مگر انصاف یہ سہولت مجھے حاصل نہیں ہے پھر میں کروٹیں بھی بہت بدلتا ہوں، پیچھے گہرے گڑا تو کوئی بڑی ٹوٹ جائے گی۔"  
 وہ اس کے انداز پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور مائٹ اس کے یوں ہنسنے پر مسکرایا ہوا حدیقہ کے بیڈ روم میں چلا گیا۔

"اُدھو، یہ تو بہت بُرا ہوا، تمنا تو کسی کو زیادہ لفٹ نہیں کرائیں، ہو سکتا ہے آپ ہی آپ فری ہو رہا ہو اور تمنا آکر مجھے کتنا ڈانٹیں گی۔ وہ بتا رہا ہے سوتے میں کروٹیں بہت بدلتی ہے۔ اتنی سلو میں پڑ جائیں گی اور تمنا کو فوراً پتیا چل جائے گا۔ کیا تمنا جو صوفے پر سو جاتا اور سونے کی ضرورت ہی کیا ہے، یہ کوئی ٹائم ہے سونے کا۔"

بادل زور سے گرجے پر نیوں نے ہر اسال ہو کر شیشے کی کھڑکی کی طرف دیکھا، پھر اٹھ کمرہ پر دھکیلی دیا۔ کبھی اس موسم کو وہ کتنا پسند کرتی تھی، بارش برستی تو وہ اپنے کمرے کی اسکول کی جانب کھلنے والی

ہم لوگ ملک سے باہر تھے۔ میں حال ہی میں لوٹا ہوں۔ وہ بھی مٹنے والا نہیں تھا۔  
 "اچھا۔ اب ماسی کو کافی تسلی ہو گئی۔  
 ماسی! یہ لہجہ نہیں لیں گے۔ پر نیوں نے یوں بتایا جیسے نذیراں اس کے لیے بہت ہی اہتمام کرنے والی تھی۔  
 "خالہ کا بیڈ روم کون سا ہے؟" اس نے سر کر پر نیوں سے پوچھا۔  
 "یہ ادھر والا۔" اس نے بیٹھے بیٹھے۔ ہاتھ سے اشارہ کر دیا۔

"کتنے کمرے ہیں اس گھر میں؟"  
 "ایک میرا، ایک تمنا کا اور ایک ڈرامنگ روم۔ ماسی کا کمرہ لیکن کے پیچھے ہے۔"  
 "میں ایسا کرتا ہوں۔ خالہ کے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔ اصل میں نیند آرہی ہے کچھ دیر سونا ہے مجھے۔"  
 "تمنا کے کمرے میں؟ پر نیوں نے آنکھیں پھاڑیں۔  
 "کیوں کیا وہ بھوت وہیں رہتا ہے؟" اس نے ہنسا پر سہم کر پوچھا۔

"اُدھو۔ اچھا بھلا بھول چکی تھی میں، آپ نے پھر یاد دلوا دیا۔ اب خود تو سو جائیں گے، اور میں ڈرتی رہوں گی۔ وہ پھر سے افس ہونے لگی۔  
 "میں تو مذاق کر رہا تھا۔" وہ قریب آیا، جھک کر اپنا ایک اٹھالیا۔ پر نیوں کو ایک دم سے کچھ یاد آیا۔  
 "آپ تمنا کے کمرے میں مت جائیں۔ ایسا کریں۔"

کھڑکی کھول کر بیٹھ جاتی۔ اتنے بڑے گراؤنڈ میں پانی ہی پانی ہوتا۔ درختوں کے دھلے دھلے پتے اور تیز ہوائیں جھولتی شاخیں اُسے یہ سب بڑا اچھا لگتا تھا۔ مگر آج جو واقعہ ہوا۔ اس نے ہر شے سے خوف زدہ کر دیا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا۔ یہ صرف دسم نہیں تھا۔ جو بھی تھا سب حقیقت تھی۔ اب میں اسکو کی طرف کبھی نہیں جاؤں گی۔ اور اپنے کمرے کی وہ کھڑکی تو کبھی بھی نہیں کھولوں گی۔ یہاں اکیلے بیٹھے اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کچن میں آگئی۔

”کیا وہ سو گیا؟“ ماسی نے دیکھتے ہی پوچھا۔

”ہاں!“ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ یہ نہیں بتایا کہ تمنا کے بیڈروم میں سو گیا ہے۔ ماسی تو خوب ہی خفا ہوئی۔ ”کتنسا بڑا بولا لڑکا ہے۔ کیا تمہارا واقعی رشتے دار ہے؟“

”ہاں!“ اس نے یہی کہنا مناسب سمجھا۔ ”کیا رشتہ ہے تم سے؟“ ماسی پتا نہیں وقت گزری کو سوال کر رہی تھی، یا واقعی تجسس تھا۔ ”آنتی کا بیٹا ہے“ اس نے گول مول جواب دیا۔

”پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔“ کوکر میں قہمہ چنے کی وال ڈالتے ہوئے اگلا سوال ہوا۔ ”وہ بتا تو رہا تھا ملک سے باہر جوتے ہیں یہ لوگ۔“ اب کچھ بے زاری سے جواب دیا۔

”بے بی! اگر میں اس کے یہاں رہنے پر اعتراض کر رہی ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے۔ بیگم صاحبہ۔ تمہاری حفاظت کے لئے مجھے چھوڑ کر گئی ہیں۔ جسے جاننتی نہیں کبھی دیکھا نہیں۔ وہ گھر میں گھس آئے تو مجھے فکر ہو گئی کہ نہیں۔“

”ہوئی، ہونی چاہیے مگر بتا تو رہی ہوں۔ وہ ماما کو خالہ کہتا ہے اور ماسی! تمہیں نہیں پتا۔ اس وقت گھر میں کسی طاقت ور بہادر شخص کا ہونا بے ضروری ہے۔“ اس نے ہولے سے بتایا۔ ”کیوں مہلا؟“ ماسی متوجہ ہوئی۔

”مجھے محسوس ہوتا ہے یہاں کچھ گڑبڑ ہے۔“ ادھر مزید لپٹ ہوا۔ ”کیسا مطلب؟ کیسی گڑبڑ؟“ ماسی نے بھنبوی۔ ”چڑھا نہیں پھرنا رمل شکل میں آگئی۔“ ”نہم۔ میرا مطلب ہے کہ کوئی سمجوت وغیرہ۔“ کہتے ہوئے بھی گھبرائی۔

”مجھ۔ سمجوت۔ ہائے میں مر گئی! آن کی آن میں ماسی کا رنگ فق ہو گیا۔“

”ہاں ہاں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں اتنی تو دیرانی ہے اس علاقے میں۔ صرف میں اور تم ہی تو سمجھتے۔ ایسی جگہیں ہی انہیں پسند ہوتی ہیں۔“ ”لکھ کیا تم نے اُسے دیکھا ہے؟“ ماسی کا

بُرا حال تھا۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

”اب کیا ہو گا بے بی۔ موسم بھی بڑا خراب ہے؟“ ”ماسی! مجھے تسلی دینے کے بجائے ڈرا رہی ہو۔“ ”تسلی کیسے دوں۔ میں تو خود اس مخلوق سے بڑا ڈرتی ہوں۔“

”ماٹ نہیں ڈرتے، وہ کہہ رہے تھے، جہاں سے آئے ہیں وہاں تین سمجوت رہتے تھے؟“ ”کہاں ولایت میں؟“

”پتا نہیں میں تو اپنی پریشانی میں تھی، ان سے تفصیل نہیں پوچھی۔“

”بے بی! تم نے بڑا ہی اچھا کیا، جو اس نیک دل لڑکے کو بٹھرایا۔ دیکھو تو کیسا شریف ہے، اور آج کل کے لڑکے جہاں کسی لڑکی کو دیکھ لیں۔ نیند، بھوک، پیاس سب اڑ جاتی ہے، اور یہ انگ کمرے میں پڑ کر سو بھی گیا ہے۔ اچھا لڑکا ہے۔ میں تو شکل سے ہی پہچان گئی تھی، ضرور بیگم صاحبہ کا رشتہ دار ہے، اچھا تو تم نے پہلی مرتبہ اُسے کہاں دیکھا تھا؟“

”دروازے پر۔“

”ہیں دروازے پر؟“ ماسی کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ کون سے دروازے پر؟ ”کانپتے ہوئے چن کے دروازے کی جانب دیکھا۔“

”بیرونی دروازے پر پیل ہوئی تو میں ادھر گئی۔“

”اچھا، بیل بھی دی مٹی“ ماسی نے گہری سانس  
 کھینچ کر خود کو سجال کرنا چاہا۔  
 ”جی ہاں، بالکل بیل دی مٹی۔ میں نے دروازہ  
 کھولا تو تمہارے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا۔ وہ گھر پر  
 نہیں، مگر جو کچھ میں ڈر رہی تھی، تو میں نے انہیں  
 رخصت کر کے دیا۔ وہ مان بھی گئے۔“  
 ”یہ کس کی بات کر رہی ہو تم؟“  
 ”ماسی کی اور کس کی؟“

”ادھر، میں تو اُس کے بارے میں پوچھ رہی تھی،  
 جسے تم نے آج دیکھا ہے۔“

”آ آچھا۔ اُس کے بارے میں، نہیں میں نہیں بتا  
 سکتی۔ جتنا میں اس خیال کو جھٹکنے کی کوشش کرتی  
 ہوں، اتنا ہی بار بار کسی نہ کسی بہانے سے یاد آ جاتا

ہے۔ بس اب کچھ نہیں پوچھیں گی مجھ سے۔“ اس نے  
 خوف سے ہاتھ مچھرے کے دائیں بائیں رکھ لیے۔

”وہ لڑکا سو سکوں گیا ہے، جگائے رکھتیں اُسے  
 دیکھو تو موسم کتنا خراب ہے، اور گھر بھی غیر محفوظ۔“  
 ”میں نے بہت کوشش کی کہ وہ نہ سوئیں، مگر

شاید انہیں زیادہ نیند آرہی ہے، مانے ہی نہیں۔“  
 ”ہونہم آخر تم نے اُسے گھر میں اس لیے تو نہیں  
 رکھا تھا کہ پڑا سوٹا رہے۔“

”چلیں وہ گھر میں موجود ہیں۔ یہ بھی تو بہت ہے۔  
 کم از کم مجھے تو بڑا حوصلہ ہے۔“

”میں کھانا تیار کر رہی ہوں، آج طبیعت کچھ  
 ٹھیک نہیں، موسم بھی خراب ہے، شاید کچھ سی دیر  
 میں لابیٹ چلی جائے۔ رات کے لیے بھی بنا رہی ہوں،  
 اگر میں سو گئی تو خود ہی گرم کر لینا۔“

”ہائے اللہ! آپ بھی سوئے لگی ہیں، پھر میرا کیا  
 بنے گا۔“

”میں اب کی نہیں، رات کی بات کر رہی ہوں،  
 ویسے سو کہاں سکتی ہوں، گھر میں ایک اجنبی لڑکا  
 موجود ہے، طبیعت کتنی بھی خراب کیوں نہ ہو جائے،  
 مجھے تو جاگنا ہی پڑے گا۔“

”نندہ براں کو ابھی ابھی جیسے یہ خیال آیا تھا۔ اور  
 ذمہ داری کا احساس مجبور کر رہا تھا۔ پر نیلیا خوش

ہو گئی۔

”چلو اچھا ہے ماسی! تم بھی میرے ساتھ میرے  
 کمرے میں بیٹھ جانا۔ آج رات بٹھے نیند کہاں  
 آئے گی۔ باتیں کریں گے۔ ہم دونوں۔“

”ہم دونوں نہیں صرف وہ، وہ بولے گا ہم دونوں  
 سنیں گے۔“

”اب اتنا بھی نہیں بول رہے تھے، پر نیلیا نے  
 حمایت کی۔“

”پتا نہیں بیگم صاحب رات کو کس وقت آئیں  
 گی۔“

”موسم کو دیکھ کر یہی سوچ رہی ہوں، بیگم صاحب  
 رات کو کہیں وہیں نہ رہ پڑیں، یوں تو بڑی مشکل  
 ہو جائے گی۔“

ڈیڑھ بجے کے قریب اس نے اور ماسی نے

کھانا کھایا پھر ماسی وہیں تالین پر دراز ہو گئی، اور  
 اسے بھی کہا کہ اپنے کمرے میں جا کر دروازے کو کھٹک  
 چڑھاؤ اور سو جاؤ۔

”مجھے تو اکیلے میں اتنا سخت ڈر لگنے لگا ہے۔

میں تو نہیں سو سکوں گی۔“ وہ یہیں صوفے پر لیٹ  
 گئی۔

ماسی کو سخت نیند آرہی تھی، اور اس کی پوری

کوشش تھی کہ وہ نہ سوئے۔ ادھر ادھر کے بہت

سے قہقہے سنائی چلی گئی، مگر تب چپ ہونا پڑا، جب

لاؤنج ماسی کے خراٹوں سے گونجنے لگا۔

”ادھر سب کو نیند کس قدر پیاری ہے، اور یہ

بارش تو بھٹنے میں نہیں آ رہی۔ آخر اتنے ڈھیر سارے

بادل یہاں کس طرح اکٹھے ہو گئے، ابھی تک ہر طرف

تاریکی ہے، بارش رکنے کے کوئی آثار ہیں۔ وہ

لاؤنج میں ادھر ادھر پھرتی رہی اپنے کمرے میں یا

باہر جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

”کیا پتا ہمارا جاگ ہی رہا ہو، اب تو کافی دیر بھی

سوچ رہی ہے، وہ یہ سوچ کر تمہارے بیدار کی طرف

پڑھی، ہولے سے دروازہ کھولا اور صرف سر اندر

ڈالا۔ کمرے کی کھڑکی جو برآمدے کے رخ پر تھی،  
 کھلی ہوئی تھی، کمرے میں روشنی پھیل ہوئی تھی۔ اور

نازدہ گھنٹہ کی ہو رہی تھی، وہ مڑے سے مڑا کے بید پر  
سورہ تھا۔ واقعی کڑی بہت بدلتا ہو گا۔ جمعی تو  
بلیٹ کا یہ حال ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کب جائے  
گئے۔ ایکے میں کس قدر وحشت ہو رہی ہے، ماسی  
کی بہت اچھی نہیں۔ انہیں جگانا تو بہت بُری بات  
ہے، مگر یہ تو کب سے سو رہے ہیں مگر میں کیسے جگاؤں  
وہ میں کھڑی سوچنے لگی۔

اگر چاہئے کہ بے اطمینان کو کہوں، مگر ابھی چاہئے  
کہ وقت تو نہیں ہے، اللہ کرے بادل زور سے گرے اور  
سات کی آنکھ کھل جائے۔ مایوس ہو کر دروازہ بند کیا،  
اور پھر موندے پر آ بیٹھی، اسے پیاس بھی محسوس ہو رہی  
تھی، مگر اتنی جرات خود میں نہیں پاتی تھی۔ کچن میں جا کر  
پانی لی آئے۔ اسے پھر سے دوپہر والا منظر یاد آ گیا۔  
ماسی، ماسی! وہ ڈر کر پکارنے لگی۔ اسی دم بادل زور  
سے گر جا اور ساتھ میں اس کی بے ساختہ چیخ بھی بلند  
ہوئی۔

”ماسی پلیز اٹھو۔ مجھے سخت خوف آرہا ہے، پھر  
بھرتوں میں پھیلے، اس نے ماسی کو پکارا، مگر ادھر  
بے خبر کھڑے کھڑے رہے۔

”ہائے اللہ نہیں کیا کروں۔ آنکھ بند کرتی ہوں تو  
منظر سامنے آ جاتا ہے، مجھے لگتا ہے وہ میرے قریب  
کھڑا ہے، مجھے دبوچنے کو تیار اور میں گھبرا کر آنکھیں  
بند دیتی ہوں۔“

”پریناں! پریناں! پرئی! کون اسے پکار رہا تھا۔  
”ایہ تو ماتک کی آواز ہے۔“ وہ ایک دم کھل اٹھی۔  
تیزی سے تمام کے کمرے کی طرف پکی۔  
”آپ جاگ گئے؟“ دروازہ کھولتے ہی پرسترت  
نبجے میں کہا۔

”خیال تو یہی ہے مگر اللہ بہتر جانتا ہے، جاگ رہا  
ہوں کہ سو رہا ہوں۔“  
”آپ بہت زیادہ سوئے ہیں۔ اس کی بات نظر انداز  
کر پریناں نے کہا۔

”میں کتنی تکلیف محسوس کر رہا تھا، اب فریش ہوں۔“  
”کھڑکی سے باہر جھانکا۔  
”ابا! موسم کیسا قاتل ہو رہا ہے۔ اپنے گھر میں تو

تو اس بارش میں کرسی ڈال کر اخبار پڑھتا۔“  
”اخبار اور کرسی تو یہاں بھی موجود ہے، آپ شوق  
پورا کر سکتے ہیں۔“ وہ ہنسی۔

”مگر یہاں محبت بھی تو موجود ہیں۔ سنا ہے انہیں  
بازوق افراد سے سخت نفرت ہوتی ہے، ان کی  
زندگی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ خدا نخواستہ  
آپ تو بازوق نہیں ہیں ناں۔“

”دیکھیے آپ بار بار یہ ذکر مت کریں، میں بہت  
ڈر لوک لڑتی ہوں۔“

”اوسے اب نہیں کروں گا۔ اس نے جھٹ بات ملن  
لی، پھر بولا ”چاہئے مل سکتی ہے؟“

”چاہئے؟“ کچن میں اکیلے جانے کے خیال سے وہ  
گھرائی۔

”ہاں، جیسے ماسی نے مین ختم ہونے کا یہاں بنایا تھا،  
تم سچی ختم ہونے کا کہہ دو۔“ وہ شاید سنجیدگی سے برامان  
گیا تھا۔

جنہوں نے استعمال کیا وہ جلتے ہیں  
سوہنی سیرائل کی خوبیاں  
● گرتے بالوں کو روکتا ہے  
● بال بے ادر گھنے کرتا ہے  
● بالوں کو مضبوط اور پکڑا رہا کرتا ہے

**سوہنی سیرائل**

کیا آپ نے اسے استعمال کیا؟ نہیں قیمت 60/-  
تو ایک دفعہ استعمال کر کے دیکھیں، رپے

ملنے کا پتہ  
۳۷، اردو بازار کراچی

digest novels lovers group

”سبھائیں ناں“ اس کا اشتیاقی لہجے سے عیاں تھا۔  
 ”چائے تو بنا لینے دو نکمتی لڑکی۔“  
 ”ٹھیک ہے آپ چائے بنائیں میں بسکٹ نکالتی ہوں۔“  
 ”صرف بسکٹ؟“ اس نے پانی چوہے پر چڑھاتے ہوئے پوچھا۔  
 ”نہیں، کتاب بھی موجود ہیں۔ اگر آپ کہیں تو فزائی کر لیتی ہوں۔“  
 ”فزائی کرنا آتا ہے نا۔“  
 ”اب اتنی بھی پھوڑا نہیں۔“ اس نے جیسے برا مانا وہ ہنس پڑا اور میز پر سے دودھ کا جگ اٹھا ہوئے لولا، جلدی سے دواچھے والے کپ نکالو۔  
 ”دو کیوں؟“ وہ سمجھی نہیں۔  
 ”ایک میرا، ایک تمہارا، اب میں اکیلے چائے پیتے کیا اچھا لگوں گا؟“  
 ”اوہ تو مجھے بھی پینا ہوگی۔“ اس نے منہ بنا کر جیسے خود سے کہا۔  
 ”کیوں چائے اچھی نہیں لگتی؟“  
 ”نہیں بالکل نہیں، صرف تمہا کی وجہ سے روز چائے پینا پڑتی ہے، اور رات کو دودھ کا گلاس بھی روزانہ ایک سیب بھی۔ مجھے سب کچھ سخت ناپسند ہے۔ ماما گیش تو میں خوش تھی۔ ان دو دونوں میں من مالی کروں گی، مگر اس خوف نے مجھے کچھ نہیں کرنے دیا۔ نہ گانے سننے، نہ دوپہر کو دیر تک سوئی، اور نہ ہی اپنی پسند کا کھانا پکوا سکی، اور تو اور اب چائے بھی آپ پلا رہے ہیں۔“  
 ”تم وہی کرتی ہو، جو تمہاری ماما کہتی ہیں۔“ وہ بہت سخت جبران تھا کہ پر نیاں کوئی تھی سی پتی تو نہیں تھی۔ ستواٹھارہ سال کی تو ضرور ہی تھی۔  
 ”ہاں تو اور کیا؟“ وہ یوں بولی جیسے یہ سب کچھ حیرت کی بات نہیں ہے۔ معمول کے مطابق ہے۔  
 ”مگر اب تم سچی تو نہیں ہو۔“  
 ”ماما سے بڑی تو نہیں ہوتی، جو وہ بہتر سمجھتی ہیں۔“  
 ”پھر کیا تم چائے نہیں پوگی؟“  
 ”نہیں، آج موسم بھی اچھا ہے، آپ مہمان ہیں

”نہیں نہیں۔ میں بھلا منع کیوں کروں گی۔ سب کچھ موجود ہے۔ بات یہ ہے، ماسی سوگئی ہے اور مجھے اکیلے کچن میں جاتے ڈر لگتا ہے۔“  
 ”اوہ، پہلے بتایا ہوتا، آخر میں کس لیے ہوں، چلو تمہارے ساتھ کچن میں چلتا ہوں۔“ وہ اثبات میں کہہ کر دروازے سے ہٹی۔ دونوں کچن میں آگئے۔ پر نیاں نے فرج سے دودھ نکالا اور بولی۔  
 ”آپ کو چائے بنانا آتی ہے؟“  
 ”ارے کوئی ایسی ویسی۔“ اس نے ایڈ کی نقل اٹا کر ”تو پھر آپ خود ہی بنالیں۔“ وہ جھجک کر بولی۔  
 ”کیوں بھٹی؟“ ماما نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکا کر کھڑی تھی۔  
 ”اصل میں تم مجھے صرف پڑھنا ہوا ہی دیکھنا چاہتی ہیں کچن میں کام ماسی کرتی ہے مجھے پتا تو ہے چائے بنتی کیسے ہے، میں نے ایک دو بار تمہا کی غیر موجودگی میں بنائی بھی ہے، مگر طریقہ جاننے کے باوجود میری بنائی چلے کچھ زیادہ اچھی نہیں ہوتی۔“  
 ”کمال ہے بھٹی، لڑکی ہو کر چائے تک نہیں بنایا۔“ عجیب ہیں تمہاری ماما بھی۔ ارے لڑکی کس سال والے تو اچھی اچھی خانہ دار لڑکیوں کو نہیں بختتے۔ بے چاریاں کتنا بھی اچھا بکا لیں۔ آگے سے ہی سنتے کو ملتا ہے۔ بہو بگم کو پکا نا کچھ نہیں آتا۔ تمہارا تو پھر ایسی حافظہ ہے۔ وہ احنوس سے سر جھٹک کر چپے کے قریب آکھڑا ہوا۔  
 ”میں پکا نا تو چاہتی ہوں، مگر ماما۔!“  
 ”ارے دیکھ لیں گے تمہاری ماما کو بھی۔ انہیں گھر آتو لینے دو۔ بڑی لڑائی کرنا ہے مجھے ان کے ساتھ؟“  
 ”کیوں، کیوں لڑائی کیس لیے؟“  
 ”اتنے سال سے اس شہر میں ہیں، پورے مہ سے ملنے تک نہیں آئیں۔“  
 ”کیا آپ اسی شہر میں رہتے ہیں؟“  
 ”نہیں، مگر یہاں سے زیادہ دور نہیں۔“  
 ”ہو سکتا ہے ماما کو آپ کے گھر کا پتا ہی نہ ہو۔“  
 ”خواجواہ میں حمایت مت کرو، جس گھر میں پیدا ہوئی پٹی بڑھیں، اب اس کا راستہ بھول گئیں وہ۔“  
 ”کیا مطلب آپ کا؟ پلیز مجھے ساری بات صاف مانا

پہلی ہی لپٹی ہوں۔  
 اس نے چائے بنائی، پر نیوں نے کباب فرائی کئے  
 دونوں کچن میں ہی بیٹھے تھے۔  
 کباب بہت مزے کے ہیں، مائے نے تعریف کی۔  
 ماسی کھانا اچھا بناتی ہے، آج بے چاری کی طبیعت  
 اچھی نہیں، روزہ میں آپ کے لیے بریائی بنوائی، اتنے مزے  
 کی ہوتی ہے کہ کیا تباؤں! آنکھیں میچے وہ شاید مزاحیہ  
 سرائے کی کوشش میں تھی۔ اس کے انداز پر مائے کو ہنسی  
 بنائی، کچریت بھی ہوئی۔ کالج کی اسٹوڈنٹ ہو کر بھی اتنی  
 حوصلہ بالکل بچوں جیسی۔  
 آپ نے بتایا نہیں، کہاں سے آئے ہیں آپ؟ پر نیوں  
 کو یاد آگیا۔  
 "کوہ قلع سے، بہ قریب ہی تو ہے، کبھی جانا تو ہوا  
 ہرگز تیار؟"  
 آپ بتانا نہیں چاہ رہے، ہے ناں؟ وہ سنجیدہ ہو  
 گئی۔  
 "ارے نہیں بھئی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہیں بھلا کیوں  
 چپاول کا، تم سے ہرگز پہلے تم میرے کچھ سوالوں کے  
 جواب دو۔"  
 "پوچھیں! وہ متوجہ ہوئی۔  
 "کیا تم نے انیسہ رحمان کا نام سنا ہوا ہے؟"  
 "نہیں تو۔"  
 "کیا تم یہ جانتی ہو تمہاری ماما کا تعلق کس شہر سے ہے؟"  
 جواب پھر لفظی میں ملا۔  
 "تمہارے ماما کیا کرتے تھے؟ تمہارے ماموں کتنے  
 ہیں؟"  
 "مجھے تو کچھ نہیں معلوم؟"  
 "کبھی پوچھا نہیں اپنی ماما سے؟" وہ بہت سنجیدہ اور  
 سٹروں سا ناراض لہجہ دکھائی دے رہا تھا۔  
 "پوچھا۔ بچپن میں بہت پوچھا۔ ماما نے یہی بتایا ہمارے  
 کوئی رشتہ دار نہیں ہیں۔ بس میں ہوں اور ماما ہیں۔ آپ ایلے  
 سوال کیوں کر رہے ہیں؟"  
 "اس لیے کہ تمہاری ماما نے تھوٹ بولا ہے تم سے،  
 سب ہیں نانی لہجی، ماموں بھی اور خالہ کے بچے بھی۔"  
 "اچھا، مگر کہاں ہیں؟" حیرت اور خوشی چھپائے نہیں  
 ہو سکتی۔

"ایک تو تمہارے سامنے موجود ہے، یعنی میں مائے کزن  
 تمہاری خالہ انیسہ کا بیٹا!،"  
 "اوہ آپ میرے خالہ زاد ہیں۔ اتنا قریبی رشتہ۔  
 آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اس کا چہرہ ایلے سے کہیں  
 زیادہ جگمگانے لگا۔ وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔ جب کہ  
 مائے اسی طرح سنجیدہ تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔  
 "مجھے خالہ سے یہ امید ہرگز نہیں تھی، کتنی سنگدل  
 ہو گئی ہیں وہ، تمہیں یہ تک نہیں بتایا کہ اس دنیا میں  
 ہمارا بھی کوئی وجود ہے۔ اب میرا جی چاہتا ہے میں اسی وقت  
 یہاں سے واپس چلا جاؤں۔"  
 "نہیں، میں تو آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ کتنا شوق  
 تھا مجھے۔ میرے بھی عزیز ہوں جو ہمارے گھر آئیں مگر  
 ماما کہتی ہیں کوئی بھی نہیں ہے۔"  
 "جدید خالہ شروع سے ضدی اور اپنی منوالہ والی ہیں۔  
 نانی بتاتی ہیں، لڑائی پارے بہت لگا کر دیا تھا انہیں۔  
 ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا۔ اپنی ذات پر اور انا بھی  
 بہت تھی۔ مگر یہ کیا کیا انہوں نے پری! اپنے ساتھ ساتھ  
 تم پر بھی ظلم کیا ہے۔"  
 "وہ تو مطمئن ہیں، مگر میں خود کو افسوس اور غیر محفوظ  
 سمجھتی رہی ہوں، سوچتی رہی ہوں چپا نہیں ہیں۔ چچا  
 ماموں کوئی تو موتا۔"  
 "میں بہت لڑائی کروں گا خالہ سے، تم انہیں گھرانے  
 تو دو۔ دیکھنا کتنی باتیں سناتا ہوں انہیں؟"  
 "نہیں ابھی کچھ مت کہتے گا۔ وہ بہت نفکی ہوئی ہوں  
 گی، اور ایسے میں انہیں بڑی جلدی غصہ آجاتا ہے۔"  
 "تو میرا غصہ کون سا کم ہے۔ میں بھی انہی پر پڑا ہوں۔  
 نانی اکثر یہ بات کہا کرتی ہیں۔"  
 "یہ تو اور بھی بڑی بات ہوگی۔ دونوں کو غصہ آجائے  
 گا چنچ چنچ کر بولیں گے ایک دوسرے کو غلط ثابت کریں  
 گے۔ میں تو بہت گھبراتی ہوں لڑائی جھگڑے سے۔"  
 "خیر اب میں اتنا بدتمیز تو نہیں ہوں کہ اپنی خالہ سے  
 لڑائی جھگڑا کروں۔"  
 "آپ میری ماما کا ذکر بہت پیار سے کرتے ہیں کہاں  
 ملے تھے آپ ان سے؟"  
 جواب میں مائے نے گھور کر دیکھا اور بولا۔  
 "کہاں ملے خالہ بات کیا ہے؟ ارے بابا! میں تو ان

بات کرتے ہیں۔ انہیں کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ وہ ہر دم ہنستی مسکراتی رہتی تھیں، بے حد شاد و بہمن کی مانند۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے کو تیار، ان کی بہت سی دوستیں تھیں۔ کبھی یہ ان کے گھر جا رہی ہیں، کبھی کوئی ان کے ہاں آ رہی ہے۔ پکنک، پارٹیاں، شاپنگ، وہ بہت شوخ تھیں اور نانا کی لالچی بھی، یہ چونکہ ہوتی تھیں نانا ضرور پورا کرتے تھے۔

وہ تیار ہاتھ اور پر نیاں حیرت سے مڑ رہی تھیں۔  
”ہنیں میں نہیں مان سکتی۔ تم کبھی ایسی بھی رہی ہوں گی۔ وہ تو ہنسنے مسکرنے کے معاملے میں بہت یوں ہی۔ بچارے کا الیتی ہیں۔ وہ زیادہ دوست بھی نہیں بنیں اور مجھ پر تو بہت پابندی ہے، نہ تو میں زیادہ دوست بنا سکتی ہوں، بلکہ وہ سرے سے ہی اس کے خلاف ہیں، ان کا کہنا ہے۔ کلاس فیلوز کے ساتھ صرف سیلو پائے تک ہی تعلق رکھنا چاہیے۔ یہ دوستیاں بالکل فضول چیز ہیں۔ وہ مجھے شاپنگ کے لیے بازار بھی نہیں جانے دیتیں۔ بلکہ میری شاپنگ بھی خود کرتی ہیں۔ حالانکہ میری اور ان کی پسند میں بہت فرق ہے، بہت کم ایسا ہو کہ مجھے ان کی خریدی کوئی چیز پسند آئی ہو اور پکنک۔ وہ اُو اسی سے مسکرائی اور بولی۔

”مجھے تو کبھی اسکول اور کالج کے ٹرپ کے ساتھ بھی نہیں جانے دیا۔ انہوں نے، ان کا کہنا ہے مجھے صرف اور صرف پڑھائی پر توجہ دینی چاہیے، باقی یہ سارے کام بالکل فضول ہیں۔“

سائب ہنس پڑا اور بولا۔ ”مزنے کی بات یہ ہے کہ حلیفہ خالہ خود کچھ زیادہ اچھی اسٹوڈنٹ نہیں تھیں۔ پڑھائی کی جانب ان کا زیادہ دھیان جو نہیں تھا۔ نانی بتاتی ہیں کھیلوں میں بہت آگے ہوا کرتی تھیں، اور انعام بھی لیتی تھیں۔“

”اچھا!“ حیرت سے پر نیاں نے آنکھیں پھاڑیں۔  
”مجھ پر پھر اس طرح کی پابندیاں کیوں انہوں نے شروع ہی سے مجھے ہر کیل سے دور رکھا ہے۔ وہ کہتی ہیں جو لڑکیاں کھیلوں میں پڑ جاتی ہیں، وہ پھر پڑھ نہیں پاتیں اور یہ بھی کہ وہ جسمانی طور پر مضبوط اور ذہنی طور پر ٹھہر اور ضدی ہو جاتی ہیں۔ ان میں جھجک نہیں رہتی، وہ من مانی مکتی ہیں، اور اپنے گرد واہ واہ کا شور اور

کی گود میں رہا کرتا تھا۔ میں تین سال کا تھا۔ جب میری امی کا انتقال ہوا۔ ویسے بھی وہ اکثر بیمار رہتی تھیں اور میرے سارے ناز و خیرے تو شروع دن سے حلیفہ خالہ نے ہی اٹھائے ہیں۔“

”پھر تو انہیں آپ سے بہت محبت ہوگی۔“  
”ارے چھوڑو محبت“ کہاں کی محبت۔ مجھے لگتا ہے۔ وہ مجھے بھی باقی سب لوگوں کے ساتھ ساتھ محبت چکی ہیں، مجھے بیان آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ پتا نہیں کیا جنون سوار تھا میں نے انہیں تلاش کرنے کی ہمیشہ کوشش کی، یہ کبھی نہیں سوچا، انہیں تو ہمارے گھر کے راستوں کا علم ہے اگر وہ اسی بھی محبت باقی ہوتی، تو وہ خود ان راستوں پر چل پڑتیں۔“

”تمنا مصروف بھی تو بہت رہتی ہیں۔“ پر نیاں نے ذرا شرمندہ سے لہجے میں تاویل پیش کی۔

”اچھا بس فضول میں حمایت مت کرو، فارغ کون ہے ہر کسی کی اپنی مصروفیات ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ رشتوں کو فراموش کر دیا جائے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ اسے اتفاق کرنا پڑا۔  
کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی، جسے سائب نے توڑا اور بولا۔ ”خالہ انکل ربانی کو یاد کرتی ہیں؟“

”زیادہ نہیں۔ بس کبھی کبھی ان کی کوئی بات سنا دیتی ہیں، حالانکہ میرا بہت جی چاہتا ہے، میں اپنے پاپا کی ڈیوڑھی بٹیں سنوں۔“

”کیا وہ بہت خاموش رہتی ہیں؟“  
”گھر میں تو خاموش ہی رہتی ہیں۔ یہاں پر کوئی ہوتا بھی نہیں۔“

”کیا کرتی رہتی ہیں وہ؟“  
”کبھی کتاب لے کر بیٹھ جاتی ہیں، کبھی ٹیلیس۔ وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتی ہیں، اور میں بھی اپنے کمرے میں رہتی ہوں، ان کے پاس بہت کم ہی جاتی ہوں، صل میں تمنا کو غصہ بہت جلدی آ جاتا ہے، اور میں ہی سب ان کے غصے سے ٹو سب کو ڈر لگتا ہے، جب وہ غصے میں ہوتی ہیں، پھر کسی کی نہیں سنتیں۔“

سائب نے بغور اس کی بات سنی اور پھر بولا۔  
”تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی پر نیاں! کہ حلیفہ خالہ نے بارے میں ہمارے خاندان میں آج تک لوگ یہ

ہوں کی اور یہی کہیں نہ ہو سکی۔ وہ بہت اداس ہیں، وہ  
پری بھی تم نے محسوس کیا۔ وہ بہت اداس ہیں، وہ

ان کے پیچھے آئیں۔  
”مگر مجھے تو آپ کا آنا اچھا لگتا ہے نا۔ وہ مجھے  
نہیں پار ہی تھی، اسے کس طرح فیصلہ بدلنے پر مجبور  
کرے۔“

”تم تو بھولی بھالی لڑکی ہو۔ خالہ نے نہیں کسی گڑبائی  
طرح اپنے گھر کی سجاوٹ بنا کر رکھا ہے، مجھے افسوس  
ہو رہا ہے، تمہاری بات نہیں مان رہا مگر یہی اجنب  
کی وجہ سے ہم میں رشتہ ہے۔ وہ جب وہ ہی درمیان  
ہٹ جائیں تو باقی کیا رہ جائے گا؟“  
”تو آپ کبھی نہیں آئیں گے؟“ اس کی آنکھیں بے حد  
اداس ہونے لگیں۔

ماتب نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔  
ایک نظر سامنے لگی گھڑی پر ڈالی اور بولا۔

”ابھی شام ہونے میں تھوڑا وقت ہے میں کچھ دیر  
یہاں رک سکتا ہوں وہ شام کو ہی واپس آئیں گی، تم  
اتھیں میری آمد کے بارے میں تو بتاؤ گی نا؟“  
”ہاں میں ان سے کوئی بات چھپا نہیں سکتی، اگر  
آپ منع کر دے گے تو بھی میں بتا دوں گی۔“

”نہیں میں منع نہیں کروں گا۔ تم ضرور انہیں بتا  
دینا۔“

”آپ چلے جائیں گے، ماما پتا نہیں کب آئیں گی  
مجھے تو بہت ڈر لگے گا۔“

”نہیں۔ تب ماما جاگ جائے گی اور میرا خیال  
ہے خالہ بھی واپس آئے میں دیر نہیں لگائیں گی، انہیں  
تمہاری تنہائی کا پورا احساس ہوگا۔“

”اگر آپ فرماتے تو میں خوف سے مر جاتی۔“  
”کیا تمہیں زندگی سے بہت پیار ہے؟“ اس نے  
مسکرا کر اسے دیکھا۔

”پتا نہیں، مگر مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے  
اور بھوتوں سے بھی۔“

”کوئی بھوت نہیں ہے، تم بس ڈر گئی تھیں، اس  
نے تسلی دی۔“

”نہیں یہ بات میں نہیں مان سکتی، وہ ہے میں نے  
کئی بار اس کے قدموں کی چاب اپنے پیچھے سنی ہے اور

اس نے نفی میں سر ہلادیا اور بولی۔ وہ بہت بہادر  
اور ذہین خاتون ہیں، وہ کسی سے نہیں ڈرتیں۔ بڑے  
بڑے افسروں کے سامنے بھی اپنی بات پر ٹوٹ جاتی  
ہیں اور منوا بھی لیتی ہیں۔ جب وہ یہاں گھر پر میرے ساتھ  
ہوتی ہیں ناں تو پھر مجھے کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا، میں  
خود کو اس دیرانے میں بھی بالکل محفوظ سمجھنے لگتی ہوں۔“  
”ہاں بہادر تو وہ شروع سے ہیں، نانی بتاتی ہیں  
سیری اتنی بہت ڈر لوگ ہوا کرتی تھیں۔ خالہ ان سے  
کافی بھرتی تھیں مگر بہت بہادر اور نڈر اگر امی کو بھت  
پر جانے سے ڈر لگتا تھا، تو حلقہ خالہ بھٹ سامنے  
بلنے پر تیار ہو جایا کرتی تھیں۔ خالہ اپنے چاروں بھائی  
بھنوں میں سب سے چھوٹی ہیں، مگر کسی کے رعب میں  
کبھی نہیں آتی تھیں۔ چھوٹے ماموں کو ان کے ہر جھکے آزاد  
آنے جانے اور نت نئے فیشن اپنانے پر سخت اعتراض  
ہوا کرتا تھا۔ مگر ان کی سنا کون تھا، وہ تو نانا کی لادلی  
تھیں اور نانا کو بڑا فخر تھا اپنی بیٹی پر۔“

یہ سب باتیں مجھے کتنا حیران کر رہی ہیں۔ میں بتا  
نہیں سکتی، اتنے رشتے ہیں۔ میرے ماموں بھی، نانی  
بھی، آپ کزن بھی اور میں یہ سمجھتی رہی کوئی بھی نہیں۔  
پر نیاں نے افسوس کے عالم میں سر ہلایا۔  
دونوں پاسے پی چکے تھے، پر نیاں نے اٹھ کر  
کپ دھوئے اور پھر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا  
کہ وہ یہیں بیٹھا جا رہا ہے یا یہاں سے چلے۔  
وہ اپنی سوچ میں گم تھا۔ یوں جیسے کسی مسئلے میں  
الٹا ہوا۔ پر نیاں نے کہا کچھ نہیں۔ دودھ کا جگ اٹھا  
کرفرن میں رکھنے لگی۔

”پر نیا، میرا خیال ہے مجھے خالہ سے نہیں ملنا چاہیے۔“  
”کیوں؟“ ماتب کا فیصلہ اس کے لیے حیران کن  
سے زیادہ مایوسی کا باعث تھا۔ کتنی خوش تھی کہ  
اب جوہ ان کے ہاں آیا کرے گا۔

”دیکھو ناں تمہاری باتوں سے تو یہی اندازہ ہوتا  
ہے۔ وہ ہمیں بالکل بھول چکی ہیں۔ اور اپنے فیصلے پر  
بہت اطمینان بھی نہیں، پھر کیا فائدہ میرے یہاں آنے

آج تو بے اسے جھڑپ سی آگئی وہ بات اسے بتانہیں  
سکی۔  
”بیادرنو جو بہادر ہوتا ہے بھوت پریت اس کے  
قریب نہیں آتے۔“  
”مگر میں بیادرن نہیں سکتی۔ اس نے مایوسی سے  
ہاتھوں کو جنبش دی۔  
”کیوں یہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے۔“  
”آپ بیادرن میں اس لیے ایسا کہہ سکتے ہیں مگر  
میں جانتی ہوں میں تو ہمیشہ اتنی بزدل رہوں گی، حالانکہ  
مجھے خود بھی یہ اچھا نہیں لگتا، مگر بس میں ہوں ہی  
ایسی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔“  
”بچپن سے اپنی مٹاکی انگلی پکڑ کر چل رہی ہو ہے نا؟  
وہ جیسے مذاق اڑا رہا تھا اس نے سر منڈھ ہوتے ہوئے سر  
اثبات میں ہلادیا۔

”پتا ہے اگر حالہ سے ملاقات ہو جانی تو میں بہت  
دن یہاں رہتا اور خوب سیر کروانا نہیں۔“  
”ہائے سچ!“ وہ بے اختیار بولی اور اسے دیکھنے  
لگی۔

”بالکل سچ ہم خوب شاپنگ کرتے، لیکن مناتے  
ہلا گلا، ہنگامہ میں کہیں سمجھا دیتا زندگی کہتے کسے ہیں؟“  
”مجھے گیت سننا اچھا لگتا ہے مگر ہمارے گھر میں  
سب گیسٹ مٹاکی نہیں۔“  
”میں نہیں تمہاری پسند کی گیسٹیں دلوانا، تمہارے  
فیورٹ کلر کے سوٹ اور جیولری۔“  
”اچھا واقعی!“ کتنا اشتیاق اُمڈ آیا تھا پر نیاں کے  
چہرے پر مگر دوسرے ہی لمحے وہ بچھڑ سی گئی۔

”کیا فائدہ آپ تو یہاں رہ ہی نہیں رہے، ویسے  
میں آپ کو بہت یاد کروں گی۔“  
”ماٹ نے اس کے جملے پر اسے دیکھا کتنی مبسم تھی  
وہ کتنا شفاف چہرہ تھا اس کا صرف دوستی اور کفر سے تعلق کی  
چمک تھی وہاں اس نے پورے خلوص سے یہ بات کہی  
تھی۔

”شاید حد لیتے حالہ نے تمہاری تربیت ٹھیک ہی  
کی ہے۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہاں وہ میں تو بہت قتل منڈا اس نے جھٹ اثبات

میں سر ہلادیا۔  
”ہاں مگر ساری عقل اپنے پاس ہی رکھ لی ہے۔“  
وہ زور سے ہنسا۔  
”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ وہ کچھ کھنگلی سے بولی۔  
”نہیں نہیں، کوئی مطلب نہیں، بس مذاق کیا  
تھا ایک تو تم مذاق بھی نہیں سمجھتیں۔“  
”آپ رات کا کھانا تو کھا کر ہی جائیں گے نا؟ وہ  
چاہ رہی تھی ماٹ ابھی یہاں موجود ہو اور نہ آجائیں۔“  
”نہیں پھر تو بہت دیر ہو جائے گی، حالہ بھی آجائیں  
گی۔“  
”تو آپ مل ہی لیں ناں آخر اتنی بھی کیا ناراضگی؟“  
”نہیں بالکل نہیں، بس میں نے پکا فیصلہ کر لیا  
ہے، ان کا آمد سے پہلے چلا جاؤں گا اور پری اتم انہیں  
ضرور بتا دینا کہ میں ان سے سخت ناراض تھا۔“

”جاگ گئے تم؟“ نذیراں نے دروازے سے جھانکا  
اور ماٹ سے کہا۔  
”میں تو کب کا جاگ رہا ہوں، آپ بہت سوئیں  
حالانکہ میری موجودگی میں آپ کو سونا نہیں چاہیے تھا۔“  
”میں شرارت تھی بنظام پر بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔“  
نذیراں چونکی اپنی غفلت پر تھوڑا غصہ بھی آیا مگر  
کہا تو یہی کر۔

”بے بی تبار ہی تھی تم ان کے قریب ہی غمر نہ ہوتے ہو  
اور صورت سے تو مجھے کافی شریف لگتے ہو صاحب۔“  
”اوہ اس کا مطلب ہے تمہیں چہرہ شناسی کا فن  
بالکل نہیں آتا۔“

”رات کو کھانے پر کیا کھاؤ گے صاحب؟ اس نے  
بات بدل دی۔

”مجھے بھوتوں کے پائے بے حد پسند ہیں جب  
میں ملک سے باہر تھاناں!۔“  
”آپ خود تو جارہے ہیں، ماٹ بھی پتا نہیں کب تک  
آئیں گی، ایسی باتیں تو مت کریں۔“  
”بیادرن بولڈ کی! یہ کوئی بات ہے کہ ان دیکھی چیز  
سے ڈر رہی ہو۔“

”ان دیکھی نہیں ہے اور جو لوگ بیادرن ہوتے ہیں  
وہ دوسروں کے خوف کو نہیں سمجھ سکتے۔ مذاق اڑاتے ہیں

مگر تو مجھ جیسے ہی جانتے ہیں کہ دل پر کیا گزر رہی ہے۔

جہاں اور وہیں بہت بہت معذرت چاہتا ہوں، مجھے واقعی تپا نہیں تھا، وہ ہنسے جا رہا تھا۔

بس پھر کچھ ہی دیر مزید بیٹھا، جس وقت وہ جانے کے لیے نکلا تھا، پریناں اور نذیراں بھی گیٹ تک ساتھ آئیں، آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا مگر اب بارش رک جی گئی تھی اس نے گاڑی باہر نکالی پھر ہاتھ ملا کر دونوں کو خدا حافظ کہا اور چلا گیا۔ پریناں کتنی دیر گیٹ پر کھڑی رہی۔

”اب آجھی جاؤ بے بی، نذیراں کو کہنا پڑا۔“

ماسی آج کا دن کیسا عجیب تھا، اس نے گہری سانس کھینچ کر کہا تھا۔

”آج او میں گیٹ بند کروں؟“ وہ اندر آگئی لالٹنگ میں اگر اس نے ٹی وی آن کیا مگر دھیان ٹی وی کی جانب نہیں تھا، اس کی باتیں، اس کا انداز یاد آ رہا تھا۔ کتنی

ایسا نیت سے بات کرتا تھا اور میں تو کبھی کسی سے یوں بے تکلف ہو کر بات نہیں کر سکتی۔ شاید یہ اس کے

دوستانہ انداز کا کمال تھا۔ میں ذرا بھی نہیں جھجکی کتنی باتیں کرتی رہی اس کے ساتھ، وہ اپنا اپنا لگا تھا بہت

گہرا دوست محسوس ہوا تھا، مگر میری قسمت۔ کتنے کم وقت کے لیے وہ مجھے ملا اور چلا بھی گیا۔ کبھی نہ آنے کے لیے۔

اور پھر اس کا دھیان ان باتوں کی طرف چلا گیا کیسے جیت انگیز انکشاف کیے ہیں اس نے میری نانی امکاں بھی ہیں اور

ماں بھی اور مٹا ان سب سے کٹ کر رہ رہی ہیں، کیوں یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں کتنی بڑی حماقت ہوئی

مجھے کچھ ضرور پوچھنا چاہیے تھا۔ مگر تو بہت مشکل ہے جو اس بات کا جواب دیں۔ اگر انہیں جواب دینا ہوتا

تو مجھ سے یہ بات چسپاٹی ہی کیوں، مجھے مابٹ سے ضرور پوچھنا چاہیے تھا مگر ہے تو وہ بھی کچھ کچھ مٹا کی طرح

جس بات کا چاہتا ہے جواب دیتا ہے، ورنہ ٹال دیتا ہے مگر اس کا انداز مٹا سے بہت مختلف ہے۔ محسوس ہوتی

نہیں ہوا کہ وہ مجھے ٹال رہا ہے۔ ایسے لوگ کتنے اچھے ہوتے ہیں، ہمدرد دوست بہت اپنے اپنے سے پہلی ملاقات میں ہی گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں کشش میں انہیں

روک لیتی۔ کتنی احمق ہوں میں نہ تو فون نمبر لیا نہ ہی ایڈریس پوچھا۔ سچ ہی کہا تھا مابٹ نے، مٹا نے ساری عقل اپنے پاس رکھ لی ہے، اس کی بات یاد آئی تو بے اختیار لب مسکرا اٹھے۔

”میں میں بے بی، تم اکیلی بیٹھی کیوں ہنس رہی ہو؟“ نذیراں ادھر آئی ایک نظر ٹی وی اسکرین پر ڈالی وہاں تو کوئی مذکورہ ہو رہا تھا اور یہ بے بی ادھر مستوجہ بھی کب تھی۔

”ماسی اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟“

”اب تو بالکل ٹھیک ہوں۔“

”ہاں ماسی یاد آیا، مابٹ تم کو میڈیٹر سوسٹے تھے، اتنی کروٹیں بدلیں سلوٹیں ہی سلوٹیں ہیں تم بیڈ شیٹ تو پہنچ کر دو۔“

”اچھے وقت پر یاد دلادیا بے بی، تم نے ماسی جلدی سے حد لقمہ ربانی کے بیڈ روم میں گئی، وہ بھی ویسے ہی آگئی اکیلے بیٹھے گھبراہٹ ہوتی تھی۔“

”لو اپنی گھڑی یہیں بھول گیا، سر ہانے کے پاس سے بلیک ریسٹ واقع اٹھا کر نذیراں نے پریناں کو تھما دی۔“

”شاید اسے لینے ہی واپس آجائیں، اس نے با آواز بلند بڑی خوشی اور خواہش کے ساتھ اس خیال کا اظہار کیا۔“

”ہاں شاید مگر اب تک تو کافی دور جا چکا ہوگا، ہاں نے زیادہ دیر خوش بھی نہیں ہونے دیا۔ پریناں نے ریسٹ واقع بیٹیں سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔“

”بیڈ روم سے فارغ ہو کر نذیراں کچن میں آئی تو بھی وہ پیچھے تھی اور چاہ رہی تھی، ماسی کوئی نہ کوئی بات کرتی رہے جبکہ نذیراں زیادہ بولتی نہیں تھی، اپنے کام سے ہی کام رکھا کرتی تھی۔“

پریناں ادھر ادھر کی باتیں نکالتی رہی اور آخر کچھ ہی بیٹھی۔

”پلین ماسی تم بھی کچھ بات کرو مجھے خاموشی سے وحشت ہو رہی ہے۔“

”میں کھانا بناؤں پھر بات کروں گی ورنہ دھیان باتوں میں ہو جاتا ہے اور کام بکرجاتا ہے۔“

رات کے آٹھ بجے تھے جب انہیں حدیقہ ربانی کی گاڑی کا مخصوص پارن سنائی دیا۔  
 ”مما اگیٹس“ وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر تیزی سے باہر کی جانب نیکی نذیراں پیچھے مٹی گیٹ پر نیاں نے ہی کھولا اور ممّا گاڑی اندر لے آئیں۔  
 ”تو بہ تو بہ کیا فضول موسم ہو رہا ہے ماسی جیج چوکیدار سے کہہ کر میری گاڑی دھلاؤ، ایک تو راستے ہی ایسے خراب ہیں ذرا سی بارش سے ہی کچھڑ ہو جاتی ہے۔ ساری گاڑی کا تیتا ناس ہو گیا۔ وہ اترتے ہی غصہ کرنے لگیں۔  
 ”السلام علیکم! پرنیاں نے سوڈب انداز میں سلام کیا۔

”وعلیکم السلام، شکر ہے گھر میں لائیٹ تو ہے، مجھے یہی فکر تھی اسیانہ ہو گھر پہنچوں اور آگے لائیٹ ہی غائب ہو، نذیراں میرا کوئی سا سوٹ پیرس کر دو، ابھی ہاتھ لوں گی۔ وہ دونوں کے آگے آگے چلتی اندر آ گئیں۔  
 ”ابھی بیگ صاحب کا مزاج اچھا نہیں وہ نہادھولیں پھر مہمان کے بارے میں بتانا، نذیراں نے پیچھے جلتے ہوئے اسے سمجھا یا اس نے انبات میں سر ہلایا حالانکہ وہ یہ جہز انہیں سنانے کو بہت بے چین تھی مگر ماسی کی بات بھی بالکل ٹھیک تھی۔

حدیقہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ماسی کچن میں اور وہ لادنج میں ہی کھڑی ہوئی۔ ان کے آنے سے اس کا خوف کافی حد تک کم ہو گیا تھا، اور لوں بھی اس وقت زیادہ دھیان اس پر تھا کہ وہ شادر لے کر آتی ہیں۔ اور وہ انہیں مامب کی آمد کے بارے میں بتاتی ہے، پتا نہیں سن کر وہ کیا کہیں گی، ہو سکتا ہے بالکل اہمیت نہ دیں یہ بھی ممکن ہے ڈانٹ پڑ جائے کہ اسے اندر آنے ہی کیوں دیا۔ ہاں زیادہ امکان اسی بات کا ہے۔ اس کے جوش پر آؤں پڑ گئی۔

کچھ پر بعد ممّا بہت تیزی میں اپنے کمرے سے برآمد ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں وہی رسٹ واقع تھی اور وہ بے حد فحش اور جہرت سے پوچھ رہی تھیں۔

”کون گایا تھا یہاں کس کی رسٹ واقع ہے یہ؟“  
 ”مامب! مامب! رحمان! نہ چاہتے ہوئے بھی اس

کی آواز دھیمی ہوئی حالانکہ اس کے یہاں آنے میں پرنیاں کا تو کوئی ہاتھ نہیں تھا۔  
 ”مامب! کون مامب! رحمان! ماسی کیسے پکپکے آواز بہت اچستہ اور فحش، جوش سے پاک تھی۔  
 ”ایسی رحمان کا بیٹا مامب! رحمان! پرنیاں اب بھی ہولے سے بولی۔

”وہ یہاں کیسے، اب کہاں ہے؟ حدیقہ بے تاب سے گویا ہوئیں۔  
 ”جلے گئے، اس نے بتایا۔

”چلا گیا مگر کیوں، تم نے روکا بھی نہیں؟ اس نے میں نذیراں کچن سے ادھر آگئی اور بولی۔  
 ”ہم کیسے روکتے اپنی مرضی کے مالک تھے آئے بھی اور چلے بھی گئے۔“

”کچھ کہا تھا اس نے؟“ ممّا نے نذیراں کی بات نظر انداز کر کے اس کا شانہ پکڑ کر ہلاتے ہوئے جیسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔  
 ”ہاں کہہ رہے تھے میں تمہاری ممّا سے بہت خفا ہوں اب کبھی نہیں آؤں گا۔“

”مگر کیوں؟“ حدیقہ نے رسٹ واقع اپنے دونوں ہاتھوں میں جھپالی۔

”جب انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ مامب ہیں تو میں پہچان نہیں پھر انہوں نے اپنی ممّا کا نام لیا۔ میں تو ان سے بھی واقف نہیں تھی۔ انہوں نے پوچھا کیا تمہاری ممّا نے کبھی ہمارا ذکر نہیں کیا۔ میرا جواب نفی میں تھا۔ انہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔ پہلے وہ آپ سے ملنے کے لیے بیٹھے تھے، انہیں آپ کا بہت انتظار تھا مگر پھر انہیں غصہ آ گیا کہ جب تمہاری ممّا نے ہمارے بارے میں بتایا ہی نہیں تو پھر میں بھی ان سے نہیں ملوں گا۔“  
 ”تمہیں کیا ضرورت تھی ایسی بات کہنے کی؟ وہ اس پر غصہ کرنے لگیں۔

”تو میں کیا کہتی میں تو کسی کو نہیں جانتی تھی؟ اس نے دبا دبا احتجاج کیا۔

”وہ کچھ دیر چپ رہیں پھر اس کی مان گئیں اور بولیں۔  
 ”یہ بتاؤ وہ کیسا تھا؟ شکل صورت چال ڈھال اور کیسی باتیں کرتا تھا؟“

بہت سوتے تھے جی وہ، بڑے اچھے قد کاٹھ والے  
اور باتیں بہت کرتے تھے، بڑی محبت سے ملے بے بی سے  
نذیراں اس کے بارے میں بتا رہی تھی اور حدیقہ بہت  
خوش رہے سن رہی تھیں، ان کے لبوں پر سیاسی مسکراہٹ  
تھی، انھوں میں دکھ کے سائے وہ بہت آزر وہ دکھائی

دینے لگی تھیں۔ اور کیا بتایا تھا اس نے سب لوگ کیسے  
پڑیاں: اور کیا بتا دیتے ہوں گے؟

وہ بچے یاد تو کرتے ہی نہیں ہوئی ماما!  
مجھ سے تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی ماما!  
نذیراں جو بتا رہی ہے، تم سے بہت باتیں  
تو رہا ماما! انہیں یقین نہیں آیا۔ کچلے سے ڈانٹ

کر دیں۔  
ہاں مگر انہوں نے کسی کے بارے میں بتایا تو نہیں  
میں نے تو بھلا تو بھی ٹال دیا۔ وہ آپ کے بارے میں  
بہت رہے۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے میں نے  
کئے کو کہا تو ملنے ہی نہیں، کبیں اور تو کوئی بات  
میں ہوئی ہماری؟

وہ کس وقت آیا تھا؟ حدیقہ اس کے بارے  
میں ہر بات جاننے کو بے تاب تھیں۔

پتا نہیں مجھے نام کا ٹھیک سے اندازہ نہیں اصل  
مبادل میں بہت آئے ہوئے تھے دن میں بھی شام  
میں لگتی تھی۔

مجھے نہیں کیا تھا اس نے؟  
مجھے سے پہلے آئے تھے مگر صرف چائے پی کہنے  
کے لیے نہیں کرنا اور شام کو بھی چائے سنانی، میں نے  
باب نرانی کے ساتھ میں بسکٹ بھی رکھے، ماما میں نے  
تھا۔ سات کو رک جائیں، وہ خود ہی نہیں مانے؟  
میں کو جاس قدر بے چین پایا اس کے لیے تو اپنی صفائی  
سب بار پھر پیش کی۔

ماما کی دیر سے لیے چلے بنا کر لاؤ ماما سر پکڑ کر  
ہوئے پریشان۔  
ماما! آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ میری نانی بھی  
نذیراں کے ساتھ تھیں؟

پتہ نہیں کروں، کوئی نہیں ہے تمہارا۔ ان میں سے کسی  
کوئی رشتہ نہیں ہے، وہ میری ماں اور میرے

بھائی ہیں، جو تمہارے عزیز ہیں نا۔ انہوں نے تو نہیں  
کبھی قبول نہیں کیا، وہ زور سے چلائیں۔ اُن کتنی تھکن  
تھی کس قدر بے زار دکھائی دے رہی تھیں وہ پر نیاں  
سے۔

”ماما میں بھی تو آپ کی بیٹی ہوں آپ کی ماما میری نانی  
ہی تو ہوں گی؟“

”میں نے کہا ناں خاموش رہو، تمہاری خاطر میں نے  
بہت کچھ سہا ہے، انہوں کو چھوڑا ہے، تمہاری برداشت  
کئی ہے؟“

”میری خاطر؟“ اس نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔  
”ہاں ہاں تمہاری خاطر جاؤ اس وقت چلی جاؤ جاؤ  
اپنے بیڈ روم میں؟“ وہ زور سے چلائیں۔

اس کی آنکھوں میں ان کے اس انداز پر آنسو آگئے۔  
وہ ہنٹ جاتی اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر گر پڑی۔  
وہ بتا رہا تھا بہت یاد کرتی تھیں ماما اس کے ساتھ۔  
اب اگر وہ ملے بغیر چلا گیا تو اس میں میرا کیا قصور اگر اسے  
محبت ہو تو توڑک بھی جانا۔ ماما مجھ سے سب کا غصہ مجھ  
پر نکالتی ہیں۔ اسے شدت کا رونا آ رہا تھا، تمنا لگتی ہیں۔

وہ صرف میری ماں اور میرے بھائی ہیں۔ تمہارا ان سے  
کوئی رشتہ نہیں تو پھر تمہارے تو سب ہونے نہا تو میں ہوں۔  
پوری دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے  
لگی۔

”کاش تم نہ آتے ماما تو مجھ سے دور نہ ہوتیں، وہ مجھے  
یوں توڑ کہتیں؟ کچھ دیر پہلے جو خوش تھی اب بھاپ بن  
کر اڑ چکی تھی۔“

نذیراں کھانے کے لیے بلانے آئی تو وہ سوئی بن  
گئی مگر ماما نے اسے ایک بار پھر بھیا اور اسے جانا پڑا۔  
”بے وقت کیوں سوئی تھیں؟ کیا تمہیں پتا نہیں  
تھا کھانا بھی کھانا ہے؟ یہ ماما کا پرانا انداز تھا سنجیدہ  
اور مصروف سالو گویا ان کا غصہ اب اتر چکا ہے۔ وہ  
اطمینان کا سانس لے کر بیٹھ گئی۔“

”ماما! آجکل کیا کر رہا ہے؟“ ماما کا ذہن ابھی اٹھ  
ہی تھا۔

”پتا نہیں؟“ اس نے بے دل سے کھانا کھاتے ہوئے  
اسی بے دل سے جواب دیا۔

”کیا باتیں کرتا رہا؟“ وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھیں۔  
”میں نے زیادہ بات نہیں کی پھر وہ آتے ہی سو گئے تھے، شام کو ہی جا گئے تھے۔“

”کیا کہیں دور سے آ رہا تھا؟“ ماما کو کتنا اچھا لگتا ہے اس کی باتیں کرنا۔ اس کے بارے میں سب جانتا ہے اچھا نہیں لگتا، مجھے میرے بارے میں تو یوں نہیں پوچھیں ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ تم نے یہ وقت کیسے گزارا تم سارا وقت کیا کرتی رہیں۔

”میں نے بہت سیر کیا آپ کو!“ انہوں نے تو نہیں پوچھا اس نے خود ہی بتا دیا۔  
”اچھا، مگر میں تمہیں بتا کر تو کئی تھی کہ کل شام تک آؤں گی، مابٹ میرے آنے سے کتنی دیر پہلے واپس گیا تھا۔“ ساتھ ہی پھر اس کی بات۔

”تھوڑی ہی دیر پہلے گئے تھے، وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ بات جان بوجھ کر دہرائی۔“  
”کیا بتایا اسان اور بھائیوں کے بارے میں؟“  
”ان کی کوئی بات نہیں کی۔“  
”تم یاد کرنے کی کوشش کرو، انہیں شاید یقین نہیں آیا تھا۔“

”کوئی زیادہ باتیں تو ہوئیں نہیں کہ میں بھول جاؤں۔“  
”ہوں!“ وہ گلاس میں پانی انڈیلنے لگیں انداز۔  
”پرسوج تھا۔ اور ان کے چہرے کا تاثر آج پہلے سے مختلف تھا۔ وہ اسے آج خود سے بہت دُور محسوس ہو رہی تھیں۔“

صبح اسے مٹانے ہی جگایا، دیر تک سونے پر تھوڑی ڈانٹ بھی پڑی، ناشتا کر کے ماما ایک بار پھر اپنے کمرے میں چل گئیں۔ اور وہ کبھی کمرے میں تو کبھی لاڈلچ میں انتہائی بے پروا ہوئی رہی۔

اس نے باہر جھانکا، اتنی تیز آنکھیں چبھتی ہوئی دھوپ، وہ کچھ سوچ کر حدیقہ ربانی کے کمرے کی جانب بڑھی، دروازہ کھلا تھا، پردے بھی ٹھیک طرح سے برابر نہیں تھے اس نے چپکے سے جھانکا، ماما یقیناً کوئی البم دیکھ رہی تھیں، بلیک جلد والی یہ پرانی سی البم اس نے تو کبھی نہیں دیکھی تھی تو مٹانے کے کچھ چیزیں جیسے جیسے چھپا کر بھی رکھی ہوئی ہیں۔ اسے کافی انوسوس ہوا اور تجسس

بھی اٹھرا۔ آخر ایسا کیا ہے، اس میں کن لوگوں کی تصاویر ہیں، کیا ارادہ کر لیا۔ جوہی ماما کہیں جانیں گی میں ضرور یہ دیکھوں گی۔ وہ وہاں کھڑی رہی، حدیقہ نے ایک ایک صفحے پر بہت دیر تکانی پھر مینے کی دراز میں رکھ کر لاک لگا دیا۔

”یہ تو بہت ہی خاص معلوم ہوتی ہے اور مٹانے لے یقیناً قیمتی بھی ہے۔“

اسے یہ البم دیکھنے کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ماما اسی شام کسی سے ملے گئیں اور اس نے یہ البم نکال لی، دل دھک دھک کر رہا تھا اسے یہ چوری معلوم ہو رہی تھی مگر تجسس تھا جو اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

اس البم میں بہت پرانی بلیک اینڈ وائٹ اور کچھ مٹے مٹے سے کلرڈ لٹ تصاویر تھیں۔ یہ کن لوگوں کی تھیں وہ تو کسی کو بھی نہیں پہچانتی تھیں۔ ہاں تما کی تصویر وہ پہچان گئی، کتنی خوبصورت اور شوخ دکھان دے رہی تھیں اس کی ماما، اب سے کہیں مختلف کہیں وہ ایک ادھیڑ عمر کی خاتون کے گلے میں بازو ڈالے ہنس رہی ہیں۔ تو کہیں ایک مرد کے ساتھ بیٹھی ہیں اور اس کے بازو سے سر ٹکائے کتنی خوش ہیں، شاید یہی ماما کے پاپا ہیں، بہت سی تصاویر تھیں اس نے سب جلدی جلدی دیکھ ڈالیں، اور آخری صفحے پر پاپا کی اس کی اور ماما کی تصویر تھی، ماما تو کہتی تھیں جب پاپا کی ڈیٹھ ہوئی وہ صرف ڈیڑھ برس کی تھی، انہیں ڈیڑھ برس کی تو نہیں لگ رہی ہیں اس نے تصویر نکال کر پلٹ پلٹتے مہینہ آور سن درج تھا۔ اس حساب سے وہ اس تصویر میں تین برس کی تھی۔ اس نے بغور تصویر کو دیکھا یقیناً یہ اس کی برقعہ ڈسے پر اتاری گئی تھی ماما اور پاپا دونوں خاموش سوچ میں گم جبکہ وہ بہت خوش اور مسکراتی ہوئی۔ اس نے البم بند کر کے دراز میں جھانکا ایک فائل رکھی تھی یونہی اس نے وہ بھی اٹھالی اور کھولی، اس میں کچھ خطوط رکھے ہوئے تھے، پہلا خط کسی املا در بانی ماما کا تھا۔ بے حد غنقر سا خط تھا اور اس میں اس کے پاپا آفاق ربانی کی بیماری کی اطلاع دی گئی تھی لکھا تھا کہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔ یہ یقیناً میرے دادا کا خط ہے ماما کہتی ہیں میرا کوئی بھی نہیں۔

کیوں آخر انہوں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔

digest novels lovers group

اس نے خط پر کسی ڈیٹ پر نظر ڈال وہ اس حساب سے  
توجہ تو چار سال کی تھی میں، مگر آخر مجھ سے کیوں اتنا کچھ  
چھپا رہی ہیں بہت ممکن ہے پیار اب بھی زندہ ہوں مگر  
نے جھوٹ بولا ہو میں آخر کس سے پوچھوں مگر تو کچھ بھی  
بتانے کو تیار نہیں تھی۔  
اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ حدیقہ سے  
بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر جانتی تھی ان کے سامنے وہ  
کچھ بھی نہیں بول سکے گی۔  
حدیقہ زبان کب گھڑائیں اسے کچھ خبر نہ ہو سکی، کھانے  
پر بلانے کے لیے ماس اس کے کمرے میں آں آدازیں دیں۔  
جواب نہ پا کر چھوٹا تو وہ بخار میں جل رہی تھی۔ وہ حدیقہ کو  
بلالان، وہ اسی وقت ڈاکٹر کے پاس لے کر گئیں۔  
دور دراز سے بخار رہا حدیقہ اس کے لیے بے حد  
پریشان رہیں مگر زیادہ ٹائم نہیں دے سکیں انہیں کچھ  
کام تھا اور وہ آپ سیٹ بھی دکھان دیتی تھیں۔ شاید  
میری وجہ سے پریشانیاں نے انہیں دیکھ کر سوچا پھر فوراً ہی  
یہ خیال جھٹک دیا انہیں، میرا انہیں اتنا بھی خیال نہیں ہے۔

تیسرے روز بخار اتر گیا مگر وہ کمزوری محسوس کر رہی  
تھی، حدیقہ نے پاس بٹھا کر اسے سمجھایا کہ اسے اپنی محنت  
کا خیال رکھنا چاہیے اور خوراک پر توجہ دینی چاہیے، وہ  
خاموش بیٹھی سنتی رہی پھر وہ شاد و نینے کو اٹھتی تو یہ باہر  
آگئی سر پہرے کے چار بج رہے تھے ہر سو آگ سی برس  
رہی تھی مگر اسے پرواہ کب تھی، وہ گیٹ کے سامنے  
آکٹری ہوں اور یہاں رکھے گلوں کو دیکھنے لگی، یہی بیل  
ہوئی اس نے بڑی بے دلی کے ساتھ دروازہ کھول  
دیا۔

”آہ آپ۔ آپ تو کہتے تھے اب نہیں آؤں گا! مارے  
خوشی کے اس کی آواز جھٹ رہی تھی۔  
”خالد گھر پر ہیں؟“ اس نے آہستگی سے پوچھا۔  
اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی ”آپ اندر  
تو آئیں۔“

”ہاں ہاں اندر تو آنا ہی ہے۔ اصل میں میں نے  
سوچا تھا کہ کو احساس ہونہ ہوا ان کی بیٹی کو تو ہے، اس  
لیے دوبارہ ضرور جانا چاہیے۔“  
”آپ نے بہت اچھا کیا میں تو خود آپ سے ملنا

چاہ رہی تھی۔“

”اتنی کمزور کیوں دکھائی دے رہی ہو؟“ اس نے  
ملتی ہی محسوس کر لیا۔  
”میں ٹھیک نہیں رہی، مجھے بخار ہو گیا تھا ناں!“  
”اور ہو کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟“ وہ کتنا فکر مند ہو رہا تھا۔  
یوں خیال تو مگر کھانا چاہیے، وہ چپ سی ہو گئی۔  
”بولو ناں علاج تو ٹھیک سے کروا رہی ہو؟“ اس نے  
کھانا پکڑ کر نہیں چیک کی۔

”بخار تو اب نہیں ہے مگر تم ٹھیک بھی نہیں لگ  
رہیں، ابھی خوراک لو، اپنا خیال رکھو، چلو اب تو میں  
آگیا ہوں، خود تمہارا دھیان رکھوں گا۔ وقت پر کھانا اور بہت  
اچھا سا کھانا۔“

”اور جو میں نہ کھاؤں تو؟“ اس کا دل کسی تھی پتی  
کی طرح ضد کرنے کو چاہنے لگا تھا۔  
”کوئی بہت سخت خطا ہو جاؤں گا۔“  
”آپ آئے ہو جی صاحب!“ نذیراں نے باہر  
جھانکا۔ اور دانتوں کی نالائش کی۔

”ادھر آج تو ان کا موڈ بھی بڑا خوشگوار ہے کیا اتنا  
مل ہے انہیں؟“ اس نے جھک کر بری سے پوچھا۔  
وہ کھلکھلائی، ”نہیں تو انہی کو کوئی بات نہیں پہلے  
آپ کو پہچانتی نہیں تھی اب جان گئی ہے۔“  
”آپ اپنی گھڑی میں بھول گئے تھے وہی لینے آئے  
ہو گئے صاحب!“ نذیراں نے فورے یقین سے کہا۔  
”چلو جی ہمارے خلوں کا لو آتے ہی ہو گیا ہے حرکت  
مابٹ چلتے چلتے رک گیا۔“

”نہیں نہیں ماسی! یہ تو ہم سے ملنے آئے ہیں!۔“  
پھر مابٹ سے بولی، ”آپ آئیں نا یہاں تو بہت محراب  
ہو رہی ہے۔“

”ساتھ ساتھ چلتے وہ لاؤنج میں آگئے، کون آیا ہے  
نذیراں؟“ یہ ہیں بیٹی حدیقہ پوچھ رہی تھیں۔  
”وہی گھڑی والا صاحب ہے، یکم صاحب جی!۔“  
”کیا مابٹ؟“ وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئیں تب تک  
یہ دونوں اندر آچکے تھے۔

”مابٹ اماں یہ تم ہو؟“ وہ اسے دیکھ کر ہلکا سا  
آنکھوں اور کھنکھتے نچے میں بولیں اس کی طرف بڑھیں اور  
دوسرے لمحے اس کے گلے۔ مٹی ہوں تھیں۔

”جائیں خالہ میں تو نہیں بولتا آپ سے“ ان کے گرد بازو کا گھیرا ڈالے ہوئے بھی تھا اور ناراضگی سے کہہ بھی رہا تھا۔

”ماٹ جانو کیسے ہو تم؟“ انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر پیشانی پر لوسہ دیا۔

”اب اتنے سالوں بعد میرا حال یاد آیا ہے، خالہ آپ بڑی سنگدل ہیں“ وہ انہیں بازوؤں سے گھیرے میں لیے ہوئے آگے بڑھا اور صوفے تک آگیا۔

”سب لوگ کیسے ہیں؟ کبھی میرا ذکر تو ہوتا ہوگا؟“ میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ وہ ناراضگی کا اظہار لفظوں میں تو کر رہا تھا مگر اس کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

”اب رہو گے ناں میرے پاس؟“ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے سے لگایا۔

”ادھ یاد آیا گاڑی تو باہر ہی ہے، میں ابھی آیا“ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”نذریراں! آج کھانا بہت اچھا سا بننا چاہیے“

پھر وہ پریناں کی طرف متوجہ ہوئیں: ”ارے تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو، اپنے کمرے میں جاؤ کبھی کچھ بڑھ بھی

لیا کرو“ وہ یقیناً اس کی موجودگی میں ماٹ سے سب نہیں بوجھ سکتی تھیں، مگر پریناں جانا نہیں چاہتی تھی۔

”ممتا! میں رات کو بہت دیر تک بڑھ لوں گی ابھی تو میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں“ وہ ان کے کچھ کہنے سے پہلے سیٹی پر بیٹھ گئی۔

”اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو صاف جا کر آرام کرو، یوں بیٹھی رہو گے تو تنہا تنہا حسوس کرنے لگو گی“

”اچھا ممتا! میں بس تھوڑی دیر تو بیٹھ لوں“

حدیقہ نے پھر کچھ نہیں کہا ماٹ اندر آیا تو اسے دیکھتے ہی بولیں۔

”آؤ میرے کمرے میں چلتے ہیں، دہیں باتیں ہوں گی“ اس نے بھی ہر اثبات میں ہلا دیا۔ اسے نظر انداز کر کے دونوں چلے گئے۔

یقیناً ممتا نہیں چاہتیں کہ میں ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنوں۔

وہ مجھے اپنا بھتیجی ہی نہیں ہیں۔ بھلا اکلوتی اولاد سے کوئی ایسا رویہ رکھتا ہے جیسا ممتا نے میرے ساتھ

رکھا ہوا ہے۔ ہر وقت کڑی نگرانی ڈانٹ ڈپٹ اور ہر ہی جھاڑتی رہتی ہیں، پیار کے سلسلے میں مجھے جھوٹ بولا کہ ان کی ڈھیٹہ ہو چکی ہے۔ امداد اور بان کی خطرات یہ بتا چلا۔ کہ وہ بیمار تھے اور ممتا سے ملنا چاہتے تھے تو کیا ممتا نے ہی پیار سے ملنا چھوڑ دیا۔ مجھے اور خود کو پیار سے دور کر دیا۔ شاید اسی غم میں وہ بیمار ہوئے ہوں گے۔

کیا پتا وہ اب بھی ہمیں ڈھونڈتے ہوں۔ ممتا میرے سبب بھپاتی ہیں مگر کوئی بات نہیں۔ اب ماٹ آگئے ہیں۔ میں ساری بات ان سے پوچھوں گی۔ یقیناً وہ تو جانتے ہوں گے، وہ میری بات نہیں ٹالیں گے ضرور مجھے حقیقت بتا دیں گے، شاید ممتا کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہو، میں سنوں تو سہی، چھپ کر کیا باتیں کرتی ہیں ماٹ کے ساتھ۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ پہلے مجھ میں جا کر نذریراں کو دیکھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھی تسلی ہوئی، دے قدموں سے وہ برآمدے میں آئی اور حدیقہ کے کمرے کی کھڑکی کے پاس پہنچی، یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی۔

کھڑکی بند تھی، کان لگا کر سننا چاہا مگر نپکھک آواز میں اسے کچھ سنائی نہیں دیا، وہ خلعے بڑے موڈ کے ساتھ واپس آ گئی۔

کافی دیر لاؤنج میں بیٹھی رہیں۔ وہ دونوں باہر نہیں آئے کچھ تو بالکل بھول گئے ہیں ممتا نے بھی مجھے بہلایا، کہہ رہے تھے بس تم سے ملنے آیا ہوں۔ اس سے زیادہ دیر برداشت مشکل ہو رہی تھی۔ وہ اٹھی اور بغیر دستک کے دروازہ کھول کر حدیقہ کے کمرے میں آ گئی۔

اس نے دیکھا حدیقہ بیڈ پر تھیں اور وہ قریب ہی رکھی رائٹنگ ٹیبل پر کھینچ لٹکانے کر رہی پر بیٹھا تھا دونوں کے درمیان یقیناً کوئی بات ہو رہی تھی۔ دروازہ کھلا تو ادھر متوجہ ہوئے بوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

”ممتا! وہ میں یہ کہنے آئی تھی۔ آپ نے یہاں سے پانی کے لیے بھی نہیں پوچھا۔ اتنا گرم موسم ہے“ وہ یہی بات سوچ کر آئی تھی۔

”میں نے پوچھا تھا، کچھ نہیں چاہیے!“ حدیقہ نے سنجیدگی سے بتایا اس نے ماٹ کی جانب دیکھا، وہ تو ہنستا مسکراتا رہتا تھا مگر اس وقت بہت بخیرہ تھا اور وہ اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہا تھا اسے

واپس آنا پڑا۔  
نذیراں نے کھانا تیار کر کے ٹیبل پر لگایا تو وہ اپنے  
کمرے میں چلی آئی۔ ان دونوں کو بلانے کے بعد نذیراں  
اسے کھانے کا کہنے آئی۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ یہ بھی  
کہہ دیا میں سو۔ رہی ہوں، کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔  
دروازہ لاک کر کے وہ بستر پر لیٹ گئی، اسے مٹا سے غموڑا  
ڈر بھی لگ رہا تھا۔ وہ ناراض ہوں گی، میں نے ایسی برائی  
تو کی نہیں کی مگر اب اسے مٹا کی کوئی ایسی پرواہ بھی نہیں  
تھی۔ ان کا کردار اسے پُر اسرار سا لگنے لگا تھا۔

کچھ دیر کے بعد دروازے پر پھر دستک ہوئی، اور  
ساتھ ہی نذیراں کی آواز سنائی دی۔ وہ بتا رہی تھی۔  
"بگ صاحب سخت خفا ہو رہی ہیں۔ اور انہوں نے  
فورا آئے کو کہا ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یونہی لیٹی رہی، تھک  
بار کر وہ واپس چلی گئی، اسے انتظار تھا۔ اب شاید مٹا یا  
پیرا بآ آئے، مگر کوئی نہیں آیا یا اس کی آنکھوں میں آنسو  
یترنے لگے، میرا کوئی بھی نہیں، کسی کو میرا احساس نہیں ہے۔  
دونوں خوش ہی ہوتے ہوں گے کہ اچھلے۔ میں دریاں  
میں نہیں ہوں، وہ اپنی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگر مجھے اپنے پیار  
کا ایڈریس مل جائے تو میں ان کے پاس چلی جاؤں گی۔

شام کو اس کی آنکھ کھلی تو سونے سے پہلے کے واقعات  
توڑی طور پر یاد نہیں آئے، فریش ہو کر باہر آئی تو سامنے  
ماب بیٹھا تھا۔

"اوہ! اسے سب کچھ یاد آگیا۔  
"آؤ پری! بیٹھو!" وہ اسے دیکھ چکا تھا اور بڑے  
پیارے بلارہا تھا۔

مجھے پڑھنا ہے۔ وہ اس سے بھی خفا تھی، پھر کیوں  
بیٹھ جاتی۔

کیا پڑھنا ہے، تم نے تو دوپہر کو کھانا بھی نہیں  
کھایا تھا۔ حالہ تو خود جا رہی تھیں تھیں بلانے میں نے منع  
کر دیا۔ تم واقعی مجھے بہت تھکی ہوئی لگی تھیں، میں نے سوچا  
اچھا ہے ریٹ کر لو اور تم کوئی بچہ تو ہو نہیں کہ تمہیں اپنی  
بھوک پیاس کا خود احساس نہ ہو جب بھوک لگے خود  
کھا سکتی ہو۔

"مٹا کدھر ہیں؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"کوئی ملنے آیا ہے۔ ڈرائنگ روم میں ہیں وہ تمام ڈو  
ناں بیٹھو۔ اور اسے بیٹھنا ہی پڑا۔  
"کیا بات ہے، جب میں پہلے آیا تھا تب تم غصہ  
ہونے کے باوجود اپنی خاموش اور کبھی بولی نہیں تھیں؟  
یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ اتنی بدتمیز بھی نہیں  
تھی مگر آج ان دونوں پر بڑا غصہ آیا۔  
"اوہ ہوا ذاتی معاملہ ابھی خالہ آئی میں تو بتانا چاہتا  
تھا جسے آپ نہ سمجھتی تھیں، وہ تو خاموشی بڑی ہو گئی ہے۔  
اس کی بات اور رہی کامیاب وہ نہیں سمجھیں۔ یونہی غلطی  
بولی۔

"آپ انہیں کچھ نہیں بتائیں گے، بھلا وہ مجھ اپنی  
باتیں بتاتی ہیں جو میں انہیں بتاؤں؟  
"کیا مطلب؟" وہ واقعی چونکا۔

"سب کچھ مجھ سے چھپاتی ہیں، وہ ہیں تو یہ بھی نہیں  
جانی میری تنہا کہاں ہے اور دو صال میں کون کون  
ہے، میرے پیار زندہ ہیں یا مر چکے ہیں؟  
اس کی شکایت ماب نے بڑی سنجیدگی سے سنی اور  
اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، خالہ نے واقعی یہ اچھا نہیں کیا۔  
میں ضرور ان سے بات کروں گا۔"

"نہیں، آپ اس سلسلے میں کوئی بات مت کہیے گا؟  
"پری! تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو اور مزید بھی؟  
"نہیں کھانا کھاؤں، بھوک لگ رہی ہے؟" وہ اس  
کی مزید کوئی بات سننے بغیر کچن میں آگئی۔

اسی شام کو مٹا اور ماب بازار جا رہے تھے ماب  
نے پریناں کو بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر مانے کہا۔

"یہ ابھی کمزور ہے اور اسے پڑھنا بھی ہے پہلے  
ہی بہت خرچ ہو چکا ہے۔ اسے گھر پر ہی رہنے دو؟  
دونوں چلے گئے اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد ان کی  
واپس ہوئی، وہ ٹی وی لگا کر بیٹھی تھی اور کتاب بھی سامنے  
کھول رکھی تھی، جونہی گاڑی کی آواز آئی مٹی دی آف کیا اور  
کتاب میز سے اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کر لی۔  
"ہیلو، پری! کیا ہو رہا ہے؟" ماب نے آتے  
ہی خوشدلی سے پکارا۔

"پڑھ رہی ہوں؟" اس نے منہ بنا کر کتاب پھر سے  
میز پر پٹختے کے انداز میں رکھ دی۔

ہاں یوں دل نگاہ پر ہوگی تو ضرور ہی اچھے نمبر لو  
گی۔ اس کے انداز پر جوٹ کی پھر باٹھ میں پکڑے بہت  
سے پکیٹ میز پر رکھ کر اس کے برابر کھد میٹھے ہوئے  
بولے۔

میں تمہارے لیے بہت سی چیزیں لے کر آیا  
ہوں۔

میرے پاس تو سب کچھ ہے۔  
ہاں پتا ہے مجھے سارے سارے نیلے سوٹ؟  
اُس نے اس کے کپڑوں کی جانب دیکھا، اس میں بھی  
نیلے رنگ بنائیاں تھیں۔

میں کیا کروں ماما کو یہی پسند ہے۔  
تم کوئی کچھ بھی ہو جو ماما نے پسند دیا پہن لیا۔ تمہاری  
اپنی بھی کوئی شخصیت ہے پری، پسندنا پسند، کچھ بولو  
تو انہیں بھی اندازہ ہو۔ وہ بات کرنے کے ساتھ ساتھ  
پکیٹ کھول رہا تھا۔

ادھ، پنک کھرکا انتہائی نفیس کڑھائی والا لیا  
سا سوٹ اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر لے لیا اور  
پُر شوق انداز میں دیکھنے لگی۔  
پسند آیا؟ وہ جان تو چکا تھا پھر بھی پوچھ رہا  
تھا۔

بہت۔ بہت ہی زیادہ۔  
اچھا اور یہ دیکھو، اس نے لان کا پرنٹڈ سوٹ  
اس کی گود میں رکھ دیا۔  
یہ بھی بہت بیکار ہے۔ اس نے پرنٹ پر ہاتھ  
پھیرا۔

دونوں تمہارے لیے ہیں۔ اور یہ کچھ جیوری ہے  
میں نے دیکھا ہے نہ تو تم جوڑیاں پہنتی ہو نہ ہی ٹاپس  
حالانکہ بڑکیوں کو تو ایسی چیزیں کا بہت شوق ہوتا ہے  
ارے بھول ہی گیا آشکریم پیک ہے، ذرا جلدی سے  
فریزر میں رکھ دو رات کو کھانے کے بعد کھائیں گے۔  
وہ اٹھنے کے بجائے نذران کو آوازیں دینے  
لگی اور جیوری والا پیکٹ کھولنے لگی، اتنے میں مماندر  
آگیش اور بولیں۔

ماٹ لے تمہارے لیے اتنا کچھ لیا ہے، تم نے  
شکر بھی کہا یا نہیں؟  
ادھ سوری! بھول گئی۔ وہ خفیف سی ہوئی۔

کتنی غلط بات ہے۔ حدیقہ نے انوس بھرتیلا  
میں ڈانٹ پلائی۔

خالہ! اب بس کر میں ہر بات پر اس بے چاری  
کو ٹوکا مت کریں۔

ماٹ! تم اس سے زیادہ ملے نہیں ہو نہیں جانتے  
یہ کتنی بے وقوف لڑکی ہے مجھے تو ہر قدم پر اس کی طرف  
توجہ دینی پڑتی ہے۔

یہ آپ کی حد سے زیادہ توجہ کا ہی نتیجہ ہے اسے  
اپنی عقل استعمال کر کے کاموقع تو دس کیوں پری، کھٹک  
کہہ رہا ہوں نا میں۔ بلکی سی چپت اس کے سر پر لگاتی۔  
بتا کے سامنے وہ کیا کہتی۔ چپ ہی رہی، ویسے متنی ممد  
تھی ماٹ سے۔

اچھا ہوا ہم پر نیاں کو ساتھ لے کر نہیں گئے، کتنا  
رش تھا بازار میں۔

حدیقہ کی بات پر وہ ہنس پڑا اور بولا۔  
مجھے پورا یقین ہے، اس رش میں یہ کنول کی شہر لوی  
کھونہ جاتی بلکہ کافی اجوائے کرتی۔

چلو اب مذاق نہ اڑاؤ۔ وہ بھی مسکرائیں۔  
آپ بات ہی ایسی کرتی ہیں۔ کیا یہ انگلی کے برابر  
ہے کہ زیادہ رش میں ادھر ادھر ہو جائے تو مل نہ پائے  
گی۔

میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔ میں تو اس لیے کہہ رہی  
تھی اسے عادت نہیں ہے، گھبرا جاتی ہے۔  
عادت ہونی چاہیے یا۔ اگر ارادہ کسی شہزادے سے  
سیانے کا ہے تو پھر ٹھیک ہے، جب اسے بازار جانا ہو  
گا۔ پہلے وہ سارا بازار خالی کروائے گا۔  
شادی کی بات پر وہ جھینپ گئی، ماما نے بھی یاد کر  
لو کبھی نہیں چھیڑا تھا۔

یہ دیکھو، یہ ماٹ نے مجھے لے کر دیا ہے، انہوں  
نے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ پر ناں کی جانب بڑھایا۔  
کل ہم پکنک منائیں گے۔ ماٹ نے پروگرام  
بتایا۔

کہاں؟ اس چھوٹے سے شہر میں تو ایسی کوئی جگہ  
نہیں ہے۔  
ہاں سے کچھ ہی فاصلے پر ایک نہر ہے، وہاں  
چلے جائیں گے۔

”لو دہاں جا کر کیا کریں گے، اونچے نیچے کنارے  
خود دوپودوں کی بہت سی اور یہاں وہاں چرتی ہوئی گائیں  
بینیں۔ تو ایسی ہی جگہوں پر مڑا آتا ہے ناں، کیوں پری!

”تہاں کیا خیال ہے؟“  
”پریناں سے کیا پوچھتے ہو، اسے بھلا کیا پتا؟“  
”آپ یہ بتائیں ماں میں اس کی کہ داروغہ جیل مجھے  
تو لگتا ہے یہ معصوم لڑکی اس گھر میں قید ہے؟“  
”تم کچھ بھی کہو، بے شک مذاق اڑاتے رہو مگر میں  
نے اس کی پرورش پر بہت توجہ دی ہے۔“  
”بہت نہیں حد سے زیادہ؟ اس نے سمجھ کی۔“  
”ہاں کہہ لو، انہوں نے پریناں کی جانب دیکھا۔  
”اور زیادتی کسی چیز کی بھی اچھی نہیں ہوتی۔“  
”اچھا اب تم اعتراف ہی کرتے رہو گے؟“ انہوں  
نے ہلکی سی ڈانٹ پلائی۔

”نہیں میں خالی خول اعتراف کرنے والوں میں سے  
نہیں ہوں۔“

”پریناں اٹھ کر یہ سب سنبھال بھی لو، کیوں بکیر کر  
بیٹھی ہو۔ تمہارے کہنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔“

جب وہ سب سمیٹ کر واپس آئی تو ماٹ بچانے  
کس بات پر نہیں رہا تھا۔ اور مٹا مصنوعی خفگی سے منہ  
پھلائے۔ یہ بھی تھیں اسے دیکھ کر وہ ذرا سیدھا ہو کر بیٹھا  
اور بولا۔

”آؤ پری! اور سنو اپنی والدہ مہترمہ کی باتیں، یہ تو بڑا  
ہنسائی ہیں۔“

”کوئی نہیں ماٹ! اور خبردار جو منہ سے ایک لفظ  
بھی نکالو تو وہ بلاخر ڈر کر فوراً خاموش ہو گیا۔“

”پھر کوئی ایسی بات جو مجھے نہیں بتانا چاہ رہی ہیں۔“  
”پریناں کے دل میں دکھ اتر گیا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر ہی  
واپس چلی آئی۔“

”زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب ماٹ اس کے  
کمرے میں آیا۔“

”بہت خفا ہو خالہ سے؟“ وہ اس دم بڑا سنجیدہ  
دکھان دے رہا تھا۔

”میں کسی سے بھی خفا نہیں ہوں۔“ پریناں کا لہجہ  
دیرینہ مگر بے لگائی سے پڑتا تھا۔

”میں نے کیا بگاڑا ہے۔ مجھ سے تو یوں بات نہ  
کرو۔“ وہ بڑے بے تکلفی سے بیڈ پر اس کے برابر بیٹھا۔  
”آپ کو مجھ سے زیادہ مٹا کا خیال ہے۔ وہ خبیث  
بات سے آپ کو منع کریں گے۔ آپ وہ بات کبھی مجھے  
نہیں بتائیں گے۔“

”ایسا نہیں ہے، تم غلط سوچ رہی ہو، میں تو تم  
سے وہی بات چھاؤں گا جسے بتا دینا تمہارے لیے  
اچھا نہیں ہوگا۔“

”کیا آپ جانتے ہیں میرے پیا کو؟“  
”اُس نے نفی میں سر ہلا دیا پھر بولا: ”میں نے تو ان  
کی تصاویر بھی اب تمہارے گھر میں لٹک کر رکھی ہیں۔“  
”جب مٹا اور پیا کی شادی ہوئی آپ کہاں تھے؟“  
”اس وقت میری والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور میں  
نانا، نانا کے پاس تھا۔“

”ہوں، شاید آپ بہت چھوٹے ہوں گے۔ اس  
لیے دو لہجے میرے پیا آپ کو یاد نہیں آ رہے۔“

وہ مسکرا دیا اور بولا: ”میرا خیال ہے کہ میں یہ سب  
بتا دینے میں اتنا سہج بھی نہیں، تم اتنی بے وقوف بھی  
نہیں جتنا خالہ سمجھتی ہیں۔ اس وقت تو جاگ رہی ہیں  
کسی تھپی وقت یہاں آسکتی ہیں، پھر بات ادھوری رہ جائے  
گی، رات کو جب وہ سو جائیں گے تو میں ساری رات نہیں  
بتاؤں گا۔“

”اچھا واقعی؟ وہ بے حد خوش ہو گئی۔“

”کیوں اعتبار نہیں ہے میرا؟“ واقعی کہنے پر اس  
نے منہ بنایا۔

”نہیں نہیں، اصل میں میرا مطلب تھا اگر تمہارے  
پہلے آپ سو گئے تو کیا ہوگا۔“

”میں نہیں سوؤں گا، تم اپنی فکر کرو۔“  
”میری کیا بات کرتے ہیں مجھے تو اب رات کو  
نیند ہی نہیں آتی۔ جاگتی رہتی ہوں۔“

”اوہو جو عظیم مفکروں کی یہی نشانی ہے، ویسے  
اگر تم کمرے سے بجائے صحن میں سوؤ تو ناندھ رہے  
سکا۔ کم از کم یہ وقت تمہارے گنتے تو کٹ سکوں گی۔“

”مذاق نہیں کریں۔“  
”کمال ہے، اتنے خلوص سے مشورہ دیا تھا۔“

ماٹ نے شانے اچکا کر منہ بنایا۔

مقتدار چہرہ تار ہا ہے پسند آیا ہے۔ اب ایک اور سونہ  
نہیں۔ مجھے نہیں سنئے، بتایا تو ہے مجھے کوئی دلچسپی  
نہیں ہے۔

”اچھا، چلو پھر گانا سن لو۔“  
”نہیں۔ مجھے گانا بھی نہیں سننا۔“  
”لطیفہ؟ وہ جواب چاہ رہا تھا۔“  
”وہ بھی نہیں۔“

”پہلی تو ضرور ہی پسند ہوگی۔“  
”نہیں نہیں۔ کچھ نہیں۔ مجھے بتا ہے آپ مجھ اور  
ادھر کی باتوں میں ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر  
نے فیصلہ کر لیا ہے ٹالوں گی نہیں۔“  
”گویا تو اس نہ ہو میں موت ہو گئی۔“  
”مجھے یقین ہے، آپ نے میرے پاس کو ضرور دیکھا  
ہوگا۔“

”تو بڑی! تم کتنی بے اعتباری کر رہی ہو۔ بلاتجربہ  
کتا ہیں نہیں دیکھا، ویسے میں دیکھتا تو چاہتا تھا مگر  
اسی زمانے میں بتا چلا نہیں کسی ہری کی بددعا ہے دیکھنے  
والا اندھا ہو جاتا ہے، بس میں نے ارادہ ترک کر دیا۔“  
”کیوں میرے پاس کو کیوں کسی کی بددعا ہو؟ وہ  
برداشت نہیں کر سکتی۔“

”چلو! انہیں نہیں، مجھے بددعا تھی۔ اب تو خوش ہو۔“  
”وہ کچھ نہیں بولی، بیڑے (مگر) ڈرینک میل پر  
رکھی جینز یونہی سیٹ کرنے لگی۔“  
”لب اسٹک کے کتنے شیڈ میں تمہارے پاس؟“  
”ماٹھے کی ندیدی، سیلی کی مانند پوچھا۔“

”ایک لائٹ پینک؟“  
”اور نیل پالش؟“  
”ایک صرف گولڈن؟“  
”اور پرنیوم؟“

”آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“  
”گھبراؤ نہیں، جوری کا ارادہ نہیں ہے میرا۔“  
”آپ میرے بارے میں سب پوچھ جاتے ہیں۔  
اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے، یہ بھی نہیں بتایا۔ آپ  
کیا کرتے ہیں۔ کہاں رہتے ہیں۔ کتنے بھائی ہیں آپ  
کے۔؟“  
”اصل میں میری داستان نہایت ہی غیر دلچسپ بلکہ

”نانی کیسی ہیں؟“

”میرے ساتھ تو بہت اچھی ہیں۔“

”اور باقی کے لوگ؟“

”وہ بھی میرے ساتھ بہت اچھے ہیں۔“  
”نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے، میں تو ان کے  
بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔“  
”کوئی کسی کو نہیں جان سکتا۔ ہر انسان کے دلچسپ  
ہوتے ہیں اندر سے کچھ۔ باہر سے کچھ۔“  
”میرے تو نہیں ہیں۔ پر نیاں نے کہا۔“  
”تو پھر شاید تم انسان نہیں ہو؟“ بڑے آرام سے  
کہہ دیا۔ وہ بس منہ دیکھ کر رہ گئی۔  
”ناراض نہیں ہونا۔ بڑا صاف گو بندہ ہوں۔ اب  
وہ منہ بڑھاتا۔“

”کیا تم کو بتا ہے آپ یہاں ہیں میرے کمرے میں؟“  
”کیوں کیا انہوں نے یہاں آنے پر پابندی عائد کر  
رکھی ہے؟“

”پر نیاں نے نفی میں سر ہلایا پھر بولی ”مگر آپ کے  
آنے سے آپہیں خدشہ تو ہوگا کہ چتا نہیں میں آپ سے  
کیا کچھ پوچھوں گی؟“

”اسنی خلاف کیوں ہو رہی ہو ماں کے؟ اس نے  
سجیدگی سے احساس دلایا۔“

”خلاف نہیں، بس اُن پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے  
میرا۔ اس کا بوجھ بھگتا جیگا سا تھا۔“

”اچھا اعتبار پر کوئی شعر سناؤ؟“ ماب نے بات  
بدل دی۔

”مجھے شعر دیر نہیں آتے۔“

”بد ذوق؟“ اُس نے منہ بنایا پھر بولا: ”اچھا میں  
تمہیں ایک شعر سناتا ہوں۔ انتہائی عمدہ اور میرے اعلیٰ  
ذوق کا ترجمان۔“

”کنکھا کر سیدھا ہو بیٹھا اور نہایت پُر سوز انداز  
میں بولا۔“

”روشنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں

محبت ایک سے ہوتی ہے ہزاروں سے نہیں

”جی یہ شعر جب ہم ساتویں آٹھویں میں ہوا کرتے تھے

تو لڑکیاں عید کا ڈبہ لکھ کر اپنی دوستوں کو دیا کرتی تھیں۔“

”ماب نے جیسے اس کی بات سنی نہیں لہک کر بولا۔“

لو کر کے کی حرکت رکھی سی ہے، کیا کر دیں گے؟  
”بس ٹیک ہے پھر آپ مجھ سے بھی کچھ مت

پوچھیں۔“ کیا کر رہے ہو؟“ حلیقہ اندر آ گئیں۔  
”ماٹ: کیا کر رہے ہو؟“ وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ اور باہر نکل گیا۔  
”کچھ نہیں۔“ وہ حلیقہ بھی شاید اسے ہی بلانے آئی تھیں، وہ بھی  
کمرے سے نکل گئیں۔  
”بب مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔“ وہ بے اختیار

رو پڑی۔  
رات وہ بہت ادا اس اور سب سے خفا تھی۔ دروازے  
پر ہلکی سی دستک ہوئی اس نے نہیں کھولا، دو بار پھر تین بار  
”دروازہ کھولو لڑکی! ورنہ بلاتا ہوں اسکول میں رہنے  
والے بھوت کو۔“ ماٹ دھمکی دے رہا تھا وہ یونہی بیٹھی  
رہی۔

پریناں! ادھری! تمہاری خاطر آگ کا دریا پار کر کے  
آیا ہوں صرف تمہیں تمہاری کہانی سنانے کے لیے اگر نہیں  
کھولو گے تو جھکا جاؤں گا۔“

وہ اٹھی اور فوراً دروازہ کھول دیا۔  
”اتنی دیر سے دستک دے رہا تھا کھولا کیوں نہیں؟“  
اس نے بڑی سنجیدگی سے ڈانٹنے کی کوشش کی۔  
”مجھے کیا بتاتا تھا آپ ہیں؟“

”اچھا اب بھوٹ بھی بولنے لگی ہو، جلوسیر میرا کیا  
مگر تپے خود ہی دوزخ میں جلوگی آؤ اسکول کی طرف  
چلیں، کھلی ہوئیں مامی کو دہرانے کا اپنا ہی منرا ہے۔“  
”نہیں میں تو کبھی ادھر نہیں جاؤں گی۔“ اس نے  
صاف انکار کر دیا۔

”پاگل لڑکی! کچھ نہیں ہے ادھر تم اکیلے تھیں تو ڈر  
گئیں، میں تمہارے ساتھ ہوں اگر کوئی آگیا تو مجھے آگے  
کر دینا۔“

”آپ ادھری آجائیں۔“ وہ دروازے کے سامنے  
سے ہنسی۔

”نہیں میں تو ادھر پورا انتظام کر کے آیا ہوں ایک  
پورا ٹیک لینا اسکول انش، ایک ڈیڑھ لٹرو میٹر کمرہ، ایک  
پورٹین میں ہے، نمکین اور المٹا کبھی، تمہیں ضرورت  
الٹا کمار اگر کوئی آجائے تو اسے جھکائے میں آسانی رہے۔“

”میں نہیں جا رہی۔“

”کیسے نہیں جا رہیں؟ ماٹ نے ہاتھ بکڑ کر کھینچا ہی  
طرح لے کر آگے بڑھنے لگا۔ ساتھ ساتھ سمجھا بھی رہا تھا۔  
”ادھر کچھ نہیں ہے، تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔“  
”ماٹ: کتنا اندھا ہے اور درخت لگنے خوفناک  
لگ رہے ہیں۔“ وہ تو کبھی رات کو ادھر نہیں آئی تھی  
بہت ڈر گئی۔

”یہاں کوئی نہیں ہے ہم دونوں کے سوا، تم ہر  
خوف دل سے نکال دو، آؤ اسکول انش میں ہیں۔“  
”مگر آپ مجھے یہ پلانے یہاں نہیں لائے۔“ اس  
نے یاد دلایا۔

”ادھری لڑکی! کتنی بے صبری ہو، بتانا ہوں، سب  
بتانا ہوں۔“ وہ اسے کرسی پر بٹھا کر سامنے والی پر خود بیٹھ  
گیا۔

”سنائیں۔“ اسے بہت جلدی تھی۔  
”کہاں تک سوگ، کہاں تک سناؤں  
ہزاروں ہی شکوے ہیں کیا کیا بتاؤں!۔“

وہ چپ رہی تو بولا۔ ”بتا نہیں مجھے یہ سب تمہیں  
سنا نا چاہیے یا نہیں، آخر خالہ نے اتنے عرصے جھپٹے دکھا  
تو کوئی وجہ ضرور ہوگی مگر میرا دل کہتا ہے نہیں بتانا  
بہتر ہے پری، خالہ اگر تمہاری تربیت اتنی سختی سے  
کر رہی ہیں ہر وقت تم پر نگرانی رہتی ہیں قدم قدم پر لگتی  
ہیں تو اس کی ایک وجہ ہے۔“

وہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی ہاں اس کا دل  
مکول سے تیز دھڑک رہا تھا پتا نہیں کیا کیا انکشاف  
ہونے والے تھے آج۔

”جب خالہ کی شادی ہوئی تھی تو بہت چھوٹا تھا بہت  
سی باتیں تو مجھے کل رات ہی خالہ نے بتائی ہیں۔ خاص کر  
میں تمہارے پیار کے بارے میں تو بالکل کچھ نہیں جانتا  
تھا۔“

”کیا بتایا ہے؟“ وہ دھیرے سے بولی۔  
”پری! تمہاری ماما یعنی میری خالہ اپنے والدین کی  
چھوٹی اور بہت لاڈلی بیٹی تھیں۔ خاص کر ان کے والد لو  
بے حد چاہتے تھے انہیں۔ انہوں نے خالہ کی ہر ضد پوری  
کی، میری ماما کی شادی چھوٹی عمر میں ہو گئی تھی۔ اب گھر میں  
صرف میری خالہ ہی ہوتی تھیں، وہ دونوں بھائیوں سے

digest novels lovers group

ماں سے اور اتنا سے خوب لاڈ اٹھواتی تھیں، بہت سہیلیاں بنا رکھی تھیں انہوں نے، کبھی کسی کی برقعہ ڈسے پر جا رہی ہیں کبھی پکنک کا پروگرام بن رہا ہے، انہیں اپنے کپڑوں اور نت نئے فیشن کا بھی بہت شوق تھا۔ وہ اس پر بھاری رقم خرچ کر دیا کرتی تھیں، خوبصورت بھی بہت تھیں اور انہیں اپنی خوبصورتی کا احساس بھی تھا۔ ان کی بات بچپن میں اپنے بھوپھی زاد سفیر احمد سے طے ہو چکی تھی، اور سفیر احمد انہیں بہت چاہتے تھے۔ خالہ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ مگر وہ نیورسٹی میں آکر ان کے خیالات نے کچھ پلٹا دکھایا اور جب ان کی ملاقات بہت بڑے گھر کے بیٹے جاوید ربانی سے ہوئی تو انہیں اپنے والدین کے فیصلے پر غصہ بھی آنے لگا۔

جاوید ربانی زندہ دار گھرانے کے فرد تھے ان کے والد سیاست میں بھی خاصا نام رکھتے تھے، پانچ بہنوں کا اکلوتا لاڈلا بھائی خالہ انہیں پسند آگئیں وہ خالہ کو ان کی بات بھی اپنی برادری میں کہیں طے مٹی مگر دونوں نے والدین کے فیصلوں کو رد کرنے کی ٹھان لی۔ خالہ نے جب گھر میں بات کی تو سب نے صاف انکار کر دیا وہ بچپن کے اس رشتے کو توڑنے کے حق میں نہیں تھے خاص کر اس صورت میں کہ سفیر انکل میں کوئی برائی نہیں تھی۔ خالہ اپنے موقف پر ڈٹی رہیں، مجھے یاد ہے، وہ کمرہ بند کر کے بیٹھے گئی تھیں، انہوں نے جھوک پڑتا کر دی تھی مگر نانا نے بھی کہہ دیا، یہ سب زیادہ دھیل کا نتیجہ ہے، یہ لڑکی میرے پیار کا غلط فائدہ اٹھا رہی ہے، اس کی یہ بات بالکل نہیں مانوں گا۔ بڑے ماموں نے خالہ کو بہت سمجھایا۔ یہ بھی کہا۔ ربانی کا تعلق جس خاندان سے ہے، وہاں ہرگز باہر سے آئی ہو قابل قبول نہیں ہوگی، تم نے حقیقت دیکھی ہیں یہ صورت حال برداشت نہیں کر سکو مگر خالہ نے ایک نہیں سنی۔ انہیں ربانی پر پورا بھروسہ تھا۔

نانا نے ان سے بول چال بند کر دی۔ نانی روتی رہتی تھیں، اور پریشان تھیں مگر خالہ کو صرف اور صرف ربانی کا خیال تھا۔ ادا مالک رات وہ گھر سے چلی گئیں وہ ایسا قدم بھی اٹھا سکتی ہیں یہ تو کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ چھوٹے ماموں سخت غصے میں تھے اور کہہ رہے تھے، میں ربانی اور حدیقہ دونوں کو قتل کر دوں گا وہ شاید ایسا کر بھی دیتے مگر نانا کو ہارٹ ایک ہوا، سب کی توجہ ان کی جانب

ہو گئی۔ انہیں ہاسپٹل لے جایا گیا۔ علاج ہر ممکن تو ہو ہی گئی، مگر عزت کے جانے کا غم انہیں چین کہاں لینے دیتا تھا۔ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ادھر ربانی، خالہ کو ساتھ لے کر اپنے ایک دوست کے ہاں گئے وہاں دونوں نے نکاح کر لیا اور ربانی نے اس نکاح کو خفیہ رکھا۔ ان دونوں کو ماموں سے خطرہ تھا جلد ہی وہ شہر چھوڑ کر اسلام آباد چلے گئے اور جاوید ربانی نے ملازمت کر لی۔ خالہ چاہتی تھیں وہ اپنے والدین کو ساری بات بتا دیں اور معافی مانگ لیں مگر وہ اپنے والدین کو بہت اچھی طرح جانتے تھے، انہیں بس ایک امید تھی، پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اگر ان کے ہاں بیٹا ہو گیا تو والدین شاید معاف کر دیں مگر بیٹا نہیں ہوا۔ تم آگئیں خالہ بتاتی ہیں اس روز وہ بہت ادا سے تھے اور خالہ کو تم اپنا جرم عسوس ہوئی تھیں، پھر انہوں نے بظاہر حالات سے سمجھوتا کر لیا تم سے پیار بھی کرتے تھے، اور جیلے کی طرح خالہ کا خیال بھی رکھتے تھے مگر وہ اپنے گھر کو اور گھر کی آسائشوں کو بہت یاد کرنے لگے تھے، اس پر کئی بار خالہ کو غصہ بھی آجاتا۔ وہ ان سے الجھ بھی پڑتیں۔ آہستہ آہستہ خالہ کو احساس ہونے لگا۔ وہ پچھتا رہے ہیں انہیں اب یہ زندگی تنہا رہی ہے۔ وہ واپس اپنی آسائشوں میں لوٹ جانا چاہتے ہیں خالہ کو بہت فکر ہوئی ان کی دنیا تو اب صرف ربانی تک محدود تھی۔ اگر وہ بھی ساتھ چھوڑ جاتے تو کہاں جاسی ایک روز وہ گھر آئے تو خاصے پریشان تھے، انہوں نے بتایا۔ والد کی طبیعت ابھی نہیں، مجھے فوراً جانا ہو گا۔

میں بھی ساتھ چلتی ہوں نا۔ تمہیں دیکھ کر تو ان کی طبیعت اور بھی بگڑ جائے گی۔ اس سارے فساد کی جڑ تو تم ہی ہو، مجھے میرے ماں باپ سے جدا کر دیا۔ وہ اندر ہی اندر اس غم میں گھسے رہے ہیں خالہ کو ایسی باتیں سنا کر وہ چلے گئے۔

ان کی واپسی بہت دن بعد ہوئی خالہ بتاتی ہیں یہ دن میرے لیے قیامت سے کم نہیں تھے پر نانا کو سننے سے لگائے میں ساری رات جاگتی رہی تھی اور ان کی آمد کی منظر رہتی تھی، پھر وہ بیس روز کے بعد واپس آئے تو بہت بدلے بدلے سے تھے۔ انہوں نے بتایا والدین کے بعد اصرار پر انہوں نے اپنی ہی منگیتر سے شادی کر لی ہے۔ خالہ بہت روئیں چھین چلائیں تو انہوں نے کہہ دیا اگر تم اسے

digest novels lovers group

قبول نہیں کر سکتی تو میں تمہیں طلاق دینے کو بھی تیار ہوں۔  
بس پھر خاموش ہو گئیں۔

اب ربانی اسلام آباد میں کم اور اپنے گاؤں زیادہ  
سے تھے، ایک سال بعد ہی خدا نے ان کی دوسری بیوی کو  
مشابہی دے دیا اور خالہ کی دنیا بالکل برباد ہو گئی، وہ  
کہتی ہیں تب تک میں بھڑکی تھی کہ سب والدین کی نافرمانی  
کی سزا مل رہی ہے۔ میں خدا سے اپنے کیے کی معافی مانگتی  
تھی اور میں نے سوچ لیا تھا۔ پر نیاں کو اتنا پیار نہیں دوں  
گی، جتنا میرے والدین نے مجھے دیا۔ اسے اتنی آزادی نہیں  
نہیں ہوگی، جسے مجھے حاصل تھی کہ آخر یہ میری ہی بیٹی ہے  
یقیناً زیادہ آزادی اسے بھی راس نہیں آئے گی اور یہ بھی  
میری ہی طرح دکھ اٹھائے گی۔

خالہ نے جب کی تلاش شروع کر دی کہ اب انہیں  
ربانی کی طرف کوئی اچھی امید نہیں تھی، وہ کسی بھی وقت  
طلاق دے سکتے تھے، انہیں ایک اسکول میں جا بمل گئی۔  
پھر ایک روز جب ربانی گاؤں گئے ہوئے تھے ان کے  
ایکسپنڈنٹ کی اطلاع ملی، وہ کہیں لے کر فوراً گاؤں پہنچیں،  
مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ وہ فوت ہو گئے تھے تمہارے  
دادا نے اسی وقت خالہ کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔  
وہ روتی رہیں، بہت مدت کی مگر انہوں نے ایک نہیں  
سنی، انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ ہمارا تم سے اور  
تمہاری بیٹی سے کوئی تعلق نہیں، تم پر کیسا بھی وقت پڑے  
ہماری طرف مت دیکھنا۔ وہ وہاں سے اپنے میکے آئیں، یہاں  
بھی ان سے اچھا سلوک نہیں ہوا۔ دونوں بھائی سخت غصے  
میں تھے۔ انہوں نے یہ نہیں سنا کہ بہن پر کیا بیٹی ہے۔

فوراً نکل جانے کو کہا اور ربانی نے بھی ملنے سے انکار کر  
دیا۔ یہاں آکر ہی خالہ کو علم ہوا کہ نانا ان کے لوں جانے کا  
صدیر برداشت نہیں کر کے تھے اور فوت ہو گئے تھے میں  
واقعی اس گھر میں پناہ لینے کے قابل نہیں ہوں، وہ آنسو  
بہاتی والپس آگئیں۔ اور نانا کی موت پر پچھتاوے کا شکار  
رہیں۔ انہیں رہ رہ کر یہی خیال ستاتا تھا۔ یہ سب میری  
وجہ سے ہوا ہے، وہ کہتی ہیں ان دنوں زندگی کتنی مشکل  
تھی، یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے اگر مجھے پر نیاں کا خیال  
نہ ہوتا تو میں خودکشی کر لیتی۔

تین سال اسی طرح گزر گئے۔ اور بڑے ماموں کو  
بتا چلا کہ ربانی کا انتقال ہو چکا ہے۔ حدیقہ کئی سال سے

اکیلی ہے، وہ اسلام آباد ان کے پاس آئے گو کہ ناراضگی  
برقرار تھی مگر مجبور تھے، بہن کا خیال بھی دل میں تھا۔ مگر  
انہوں نے یہ شرط رکھی کہ اگر خالہ تمہیں تمہارے دو حیا والوں  
کو دے دیں تب ہی اپنے گھر والپس آ سکتی ہیں چھوٹے ماموں  
کا غصہ بہت خراب ہے۔ وہ تو اس لڑکی کو دیکھتے ہی قتل  
کر دیں گے اور گھر کے باقی افراد کے لیے بھی ایک ایسے  
شخص کی نشانی کو قبول کرنا ناممکن ہو گا۔ جو ان کے باپ کی  
موت کا ذمہ دار ہے۔

خالہ انہیں یہ نہیں بتا سکیں کہ سسرال والوں نے بڑی طرح  
دھتکار دیا ہے۔ بس ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ان کے  
گھر والوں کی یہ شرط تھی کہ تمہیں تمہاری دو حیا والوں کو دے دیں  
اگر یہ ممکن ہوتا تب بھی خالہ تمہیں خود سے جدا کرنے کو تیار  
نہیں تھیں۔ سو انہوں نے یہ ہی سوچا، اب کچھ لیا جائے کہ  
دنیا میں بالکل اکیلی ہوں، میرے نیکے والوں کو بار بار میرے  
گھر نہیں آنا چاہیے (انہیں اتنا تو یقین تھا لاکھ خفا ہی  
وہ اب بار بار آئیں گے ضرور)

ابھی پر نیاں چھوٹی ہے ان کے روکھے رویے کو  
نہیں سمجھتی، کل بہت دکھی ہو گئی بہتر ہے یہاں سے کہیں اور  
چلی جاؤں جہاں ہم دونوں کو جاننے والا کوئی نہ ہو اور انہوں  
نے تمہاری خاطر وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔

”تمنا کتنی اچھی ہیں! ساری کہانی سن کر وہ روئے  
چلی جا رہی تھی! انہوں نے میری خاطر کیا کچھ برداشت کیا اور  
میں نے کتنا غلط سمجھا انہیں!“

”بس اب روؤ تو نہیں!“ اس نے لٹو پیڑ کا ڈبہ اس  
کے سامنے رکھا۔

”کیوں نہ روؤں کیسی بد صورت داستان ہے میری،  
کسی کو بھی میری ضرورت نہیں تھی۔ باپ کو میری مداخلت پر  
آنسو ہوا تھا۔ دادا نے اپنانے سے انکار کر دیا ماموں  
نے میری ناں کو چھت دینے کی یہ شرط رکھی کہ مجھے چھوڑ  
دے، کتنی بد نصیب ہوں میں!“ اس کے آنسو تھے میں  
نہیں آ رہے تھے۔

”پری! یہ تو پرانی باتیں ہیں ناں۔ اب تو ربانی آساں  
خالہ کو ہر دم یاد کرتی ہیں، ماموں بھی اپنے اس فیصلے پر  
شرمندہ ہیں۔ وہ سب لوگ تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر چکے  
ہیں۔ وہ تم لوگوں کی تلاش میں ہیں مگر انہیں ابھی کالسیلی  
حاصل نہیں ہوئی، ہیں تم لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن میں

بڑے ماموں کی بیٹی ملیجہ میڈیکل کے آخری سال میں ہے ان کا بیٹا یعنی عنصر بھائی سلمیاب کیل ہیں۔ چھوٹے ماموں کی دونوں بیٹیاں ابھی اسکول میں ہیں۔ بہت شرارتی ہیں۔ مجھ سے بے حدود سستی ہے، اور چھوٹی ممانی بتاتی ہیں، ان کی اور آپ کی بہت دوستی ہو کر رہی تھی۔“

ہاں میں اور ریحانہ خالہ زاد بہنیں بھی تو ہیں بہت پیار تھا ہم میں وہ مسکرا بھی رہی تھیں، اور ملک میں بار بار بھیگ بھی جاتی تھیں۔

پر نیلیاں اپنی سوتیل میں گم تھیں وہ لوگ مجھ سے کیا رویہ رکھیں گے۔ ماما تو بہت تسلی دیتے ہیں اور یہ خود بھی تو اتنے اچھے ہیں، حالانکہ ہیں تو انہی لوگوں میں سے پھر وہ سب بھی اچھے ہی ہوں گے، مگر مجھے اتنے لوگوں میں رہنے کی عادت کہاں ہے۔ میں تپا نہیں کیے رہوں گی، اسے کچھ گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی۔ نانی کا گھر سامنے تھا۔ پرانی، مگر مضبوط اور خاصی بڑی عمارت گیٹ کر اس کر کے گاڑی اندر آئی، سامنے کوئی بھی نہ تھا۔

”انہیں تو ہماری آمد کی اطلاع بھی نہیں، کتنے خوش اور حیران ہوں گے سب۔“ ماما مزالے رہا تھا۔ حلقہ کو جانے کیا کیا یاد آیا۔ شدت سے رونے لگیں اور پر نیلیاں اس کی حالت عجیب تھی، ہاتھ پر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

پہلے ماما اترے۔ انہیں آنے کا اشارہ کر کے تقریباً بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔ اور جب تک یہ دونوں کارڈور کے دروازے تک پہنچیں اہل خانہ ان کی آمد کی اطلاع پا کر یہاں تک آچکے تھے۔

”میری بیٹی! میری حلیقہ! نانی کی آواز میں بے قرار آنکھوں میں نمی تھی۔

”دھما!“ وہ بھاگ کر ان کی بازوؤں میں سما گئیں،

دونوں شدت کے ساتھ رونے لگیں۔ باقی لوگ بھی ان دونوں کے گرد گھڑے ہو گئے اور پر نیلیاں، وہ ایک دم سے اکیلی رہ گئی، کسی نے اسے توجہ کے قابل نہیں سمجھا، اسے دیکھا اور نظر انداز کر کے سما کو دیکھنے گئے۔ اس نے تو خواہ وہ ہی یہ سفر کیا۔ بھلا اس کے لیے یہاں جگہ کیسے ہو سکتی ہے

نے وہاں ابھی کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ میں خالہ کا فیصلہ سننا چاہتا تھا، مجھے یہ خدشہ تھا کہ میں وہاں ملنے سے انکار کر دوں۔ اور میں خواہ مخواہ میں نانی کو اس دلاؤں، مگر مجھے خوشی ہے، خالہ ملنے پر تیار ہیں۔ ہم بہت جلد وہاں جائیں گے، پری تم ان سب سے مل کر بہت خوش ہو گی۔

چھوٹے ماموں کی دو بیٹیاں ہیں۔ بڑے ماموں کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ نانی اور میری دونوں ممانیاں بہت اچھی ہیں۔ بالکل بھی نہیں لگے گا کہ ان لوگوں سے پہلی بار

مل رہی ہو۔“ تم لوگ اتنی رات گئے اور صبح بٹھے کیا کر رہے ہو۔“ اس کے لیے یہ ضروری تھا۔

”مونا حلیقہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ پر نیلیاں نے آنسوؤں سے بھیگے چہرے پر ہاتھ رکھ لیے، جبکہ ماما

خالہ! میں نے پری کو سب کچھ بتا دیا ہے، کیونکہ میں سمجھتا تھا۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا۔“

وہ کچھ نہیں بولیں، قریب آکر بڑی خاموشی سے ہاتھ روتی ہوئی پر نیلیاں کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہ اٹھی، اور ان کے سینے پر سر رکھ کر اور بھی شدت سے رونے لگی۔

”اوہ! یہ اسکو الٹس تو یونہی رکھا ہے، خالہ آپ کے لیے گلاس بھی نہیں، پتھر نہیں ابھی لے کر آتا ہوں۔“ وہ ان کا درمیان بٹھانا چاہ رہا تھا۔ گلاس لانے کے لیے چلا پھر رگ گیا اور بولا۔

”میرا خیال ہے، اب گھر ہی چلتے ہیں۔ کیا تپا کوئی عبوت نکل لی آئے۔ میں نے ابھی ابھی درختوں کے نیچے ایک سایہ سا تو دیکھا ہے، پر نیلیاں نے چیخ ماری اور بڑی طرح حلیقہ سے لپٹ گئی۔

”کیا کرتے ہو ماما؟“ انہوں نے اسے ڈانٹا۔

ماما نے جیسے سنای نہیں، جگ گلاس اٹھائے، اور اہل بڑا۔ اسے جاتا دیکھ کر پر نیلیاں بھی حلیقہ کا ہاتھ پکڑے تیز قدموں سے پیچھے چلی آئی۔

گاڑی ماما ڈرائیو کر رہا تھا۔ ماما اس کے برابر جبکہ پر نیلیاں پیچھے بیٹھی تھی۔ ماما تو اتنے سالوں بعد اپنے پیادوں سے ملنے پر بے حد جذباتی ہو رہی تھیں۔ بار بار ان کی آواز جھینگے لگتی۔ ماما انہیں سب کے بارے میں بتا رہا تھا۔

ہم سے مراد وہی اور اب تم بھی۔ باقی سب کی یہ دوا ہی  
ہیں۔

پرنیوں نے دیکھا، ان لوگوں کی مسکراہٹ اب  
بھی اپنا ہیئت سے خالی تھی۔ اور وہ کتنے غور سے اسے  
دیکھ رہے تھے۔ کیا میں کوئی عجوبہ ہوں؟ اسے ان  
کا یوں دیکھنا سخت برا لگا، اور جل کر سو گیا وہ دیکھا  
کو بھی مسکرا نہیں سکی۔ ایک بار پھر الگ تنگ جابجی  
”بچہ! کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟“ آخر نانی  
کو اس کا کچھ خیال ہی گیا۔

نانی! یہ بڑی نالائق ہے! امی کے بولنے سے  
پہلے مائے بول اٹھا۔ شاید اس کا خیال ہوگا۔ وہ  
فوراً نفی کرے گی، مگر اس نے تو سر بھی اوپر نہیں اٹھا  
جیسے نانی اس سے نہیں کسی اور سے مخاطب ہوتی تھی  
”پرنیوں! یہ کیا بد تمیزی ہے تمہاری نانی بال کچھ  
پوچھ رہی ہیں۔“ حلیقہ نے سب کے سامنے فائنل کر  
کہا۔

”میں بہت تنگ گئی ہوں، سونا چاہتی ہوں۔“ حقیقت  
تو یہ تھی کہ ان سے چھپ جانا چاہتی تھی۔  
”پنکی! بہن کو کمرہ دکھا دو۔“ چھوٹی ممانی نے اپنی  
بیٹی سے کہا۔ پنکی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اور ساتھ  
ہی پرنیوں بھی۔

راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی بات  
نہیں ہوئی۔ اور وہ کمرہ دکھا کر واپس چلی گئی۔  
خوف، گھٹن، تنہائی اس پر سب اٹھنے ملے اور  
ہوئے، وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ اب کوئی بھی  
میرا نہیں رہا۔ ماما کو اپنے لوگ مل گئے ہیں۔ وہ مجھے  
بھول گئی ہیں۔ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی، اور اس  
کی سوچیں اسے مزید تنگاتی رہیں۔

”ابو! اور تاجا جان آگئے ہیں۔“ ایک گھنٹے کے بعد  
پنکی نے ہی اندر جھانک کر اطلاع دی تھی۔ اور اس  
کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جی چاہتا تھا کہیں چھپ  
جائے، ان کے سامنے جانے سے بچ جائے پنکی منتظر

کھڑی تھی، اسے آنا پڑا قدم اٹھانے میں بھی دقت ہو رہی  
تھی، جب وہ نانی کے کمرے کے دروازے تک آئی تو  
دیکھا ماما اپنے بھائیوں سے مل رہی تھیں، بہت رو دھا

وہ سر جھکائے ڈوبنے والے کے ساتھ کھڑی تھی۔ کسی مجرم  
کی طرح شرمسار اور رنجیدہ بھی۔  
”یہ پرنیوں ہے۔“ مائے ان سب سے کہہ رہا تھا،  
جواب میں کوئی کچھ نہیں بولا۔ اس کا جھکا سر اور بھی جھک  
گیا۔ وہ سب باری باری ماما سے ملے، اور پھر آخر میں  
نانی نے انتہائی سرد سا ہاتھ اس کے سر پر بھی پھر دیا۔ پھر  
وہ سب اندر آگئے۔ نانی کے کمرے میں ان کے ہلنگ پر  
ماما، نانی اور دونوں ممانیاں بھی بیٹھ گئیں۔ بڑے بڑے  
نے کرسیاں منتقل لیں، اور وہ ایک طرف صوفے پر  
ٹیک گئی۔

مائے انہیں حلیقہ سے ملنے کی داستان سنا  
رہا تھا۔ درمیان میں بیچہ اور منظر بھی بول پڑتے، ہنستے  
مسکراتے، کبھی کبھی مارے خوشی کے رو پڑنے والے یہ  
چہرے کتنے اپنے ہو کر بھی بہت پرلے تھے۔ اسے لگا  
تھا بھی مجھ سے دور ہو گئی ہیں، اور مائے تو بہت ہی  
دور، وہ بے حد تنگ محسوس کر رہی تھی، مگر اسے یقین  
تھا اگر کسی سے کہے گی تو بھی کوئی نہیں سنے گا، اس کی آواز  
سن کر بھی سب ان سنی کر جائیں گے۔ مائے بڑے اور  
چھوٹے ماموں کو خال کی آمد کی اطلاع فون پر دے رہا  
تھا۔ اس کا دل کانپ رہا تھا، اگر ماموں نے آج بھی  
مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا، مجھے گھر سے نکل  
جانے کو کہہ دیا تو پھر کیا ہوگا، اس نے تما کی جانب  
دیکھا، وہ نانی کی گود میں سر رکھے آنکھیں موندے  
لیٹی تھیں۔

”پہری! تم اتنی الگ تنگ کیوں بیٹھی ہو؟“ فون  
سے فارغ ہوا تو اس کی توجہ پرنیوں کی جانب ہوئی۔  
”میں بہت تنگ محسوس کر رہی ہوں۔“ رلیسٹ  
چاہتی ہوں۔“

”اوں ہوں بد ذوق لڑکی، سب اکٹھے بیٹھے  
ہیں، اتنا سزا آرہا ہے تمہیں آرام کی بڑی ہے،  
آؤ تمہارا تعارف کروادوں؟“ ہاتھ پکڑ کر اسے یہاں  
سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

”یہ بڑی ممانی ہیں، بر چھوٹی ممانی ہیں۔ یہ بیچہ  
میں، یہ منظر اور یہ دونوں پنکی اور تاجا۔ سب سے  
اہم شخصیت تو معمول ہی گیا، انہیں ہم نانی کہتے ہیں،

تجربہ شاید معانی بھی مانگ رہی تھیں۔ وہ دروازے  
 نہیں، شاید معانی بھی مانگ رہی تھیں۔ وہ دروازے  
 پر ہی رگڑ گئی، جب ہاتھ بٹھکیں، تب ہی آگے بڑھی۔  
 یہ میری بیٹی ہے۔ تمہارا انداز کسی مجرم کا سا تھا۔  
 ایسا مجرم جو اپنے جرم پر بے حد شرمسار بھی ہو، پر نیلیاں  
 بھر قدم نہیں اٹھا سکتی۔ وہیں رگڑ گئی۔ دونوں ماموں نے  
 سے قریب آئے، باری باری اس کے سر پر ہاتھ رکھے  
 سرد، لالعلقی کا اظہار کرتے ہوئے یہ ہاتھ اسے بھی  
 کسی جرم کا احساس دلانے لگے، وہ بھی قصور دار ہے۔  
 اسے بھی شرمسار ہونا چاہیے آؤ بیٹھو۔“ ملیجہ نے  
 ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ سب آپس  
 میں باتیں کرنے لگے، تپا نہیں کس کس کا ذکر ہوا۔ وہ  
 تو ان ماموں سے یکسر ناواقف تھی۔ وہ تو ان لوگوں  
 کی ہو کر بھی ان میں سے نہیں تھی۔  
 ”آؤ، باہر چلتے ہیں، مائیب نے شاید اس کی کیفیت  
 کو سمجھ لیا تھا۔ پر نیلیاں نے تشکر بھری نگاہ سے اسے  
 دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں یہاں سے اٹھے  
 تو ساتھ ہی پنکی، تانیلا اور عنصر بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔  
 ”مائیب! دادی تم سے بہت خوش ہیں“ عنصر  
 کہہ رہا تھا۔  
 ”وہ میری صلاحیتوں کی معترف ہیں۔ ہمیشہ میری  
 تعریف کرتی ہیں“ مائیب نے جیسے اس کی بات پر توجہ  
 نہیں دی۔  
 ”مگر تمہارا یہ کارنامہ تو واقعی بہت بڑا ہے“ عنصر  
 نے دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔  
 ”پر ہی! ذرا نیچے کے رہنا، اس کے ہاتھ بہت چلتے  
 ہیں۔“  
 ”پر ہی! کون پر ہی؟“ وہ تینوں سمجھ تو گئے مگر من  
 کو پوچھنے لگے۔  
 ”فہم ہے اُسے ہی کہوں گا، جس کی شکل پر لیوں  
 جیسی ہوگی۔ اب تانیلا اور پنکی تو پر ہی کہلانے سے  
 رہیں۔“  
 ”مائیب بھائی! دونوں چیخ کر احتجاج کرنے لگیں۔  
 ”تو سب ایک تو یہاں سچ بولنے پر بھی پابندی ہے۔“  
 مائیب نے گہری سانس کھینچی اور پر نیلیاں کی طرف دیکھا۔  
 وہ ان سب باتوں سے یکسر بے گانہ اور اکتائی ہوئی  
 دکھائی دے رہی تھی۔

digest novels lovers group

”کیا یہ ہمیشہ یونہی رہتی ہے؟“ عنصر مذاق اڑا رہا  
 تھا۔  
 ”نہیں، اُنی تو بہت خوشی خوشی تھی۔ تم لوگوں کی شکلیں  
 دیکھ کر بڑی مایوس ہوتی ہے۔“ مائیب کا جواب پر نیلیاں  
 کو بڑا اچھا لگا۔  
 ”تم لوگ باہر کیوں چلے آئے۔ میں تو کھانا لگانے  
 والی تھی۔“ ملیجہ دور ہی سے کہہ رہی تھی۔  
 ”ہمیں کیا پتا۔ کھانا لگنے لگا ہے۔ ہم نے سوچا۔  
 مہمان کو اپنا خوبصورت لان ہی دکھا دیں۔“ جواب  
 عنصر نے دیا۔  
 ”لان کہیں بھاگا نہیں جا رہا، آجاؤ تم لوگ، ملیجہ  
 خاصے رعب سے بات کر رہی تھی۔  
 ”یہ لوگ کس کو کہا ہے؟“ مائیب نے خاصا برامان  
 کر پوچھا تھا۔  
 ”بابا! مجھے تو معاف رکھو، تمہیں نہیں کہہ رہی۔“  
 ملیجہ نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔  
 ”دیکھا کیسا رعب ہے ہمارا۔“ وہ پر نیلیاں کی جانب  
 ذرا سا جھکا اور داد چاہی۔ وہ تو مسکرا بھی نہیں سکی۔  
 ”مائیب بھائی! جب آپ حلیقہ انٹی کے ہاں گئے  
 ہوئے تھے، تو دوبارہ آپ کے ابو کا فون آیا تھا۔ وہ  
 سخت ناراض ہو رہے تھے، بہت ڈانٹ کھلائی ہے  
 انہوں نے آپ کے لیے۔“ تانیلا بہت خوش ہو کر یہ اطلاع  
 دے رہی تھی۔  
 ”تم لوگوں نے بتایا نہیں، کتنے اہم مشن پر گیا ہوا  
 تھا۔“  
 ”ہمیں کوئی بتا کر جاتے ہیں آپ، انکل بھی کہہ رہے  
 تھے مانی سخت آوارہ ہو گیا ہے، بچے کوئی نہ کوئی  
 بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔“  
 ”اچھا، اب پر نیلیاں کے سامنے یہ سب بکواس کرنا  
 کیا ضروری ہے۔“ اس نے پنکی اور تانیلا کو ڈانٹا۔  
 ”تو مائیب کے لیے بھی میں غیر ہوں۔“ پر نیلیاں کا  
 دکھ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر چل  
 پڑی۔  
 ”ارے رکو تو۔“ مائیب نے پکارا، پھر بولا۔ لگتا  
 ہے بھوک کچھ زیادہ ہی تیار ہی ہے۔ چلو ہم لوگ بھی چلتے  
 ہیں۔“

مگر وہ کھانے کے کمرے میں جانے کے بجائے اپنے کمرے میں چلی گئی۔  
 ”کیا بات ہے کھانا نہیں کھانا کیا؟“ ذرا دیر بعد ملیجہ اس کے کمرے میں آکر پوچھ رہی تھی۔ اس کی آواز قدرے بھاری اور جبرے کا مجموعی تاثر سیاٹ سماعتاً یوں لگتا اگر اسے کوئی بات پسند نہ آئی، تو ڈانٹ دے گی یا ناراض ہو جائے گی۔  
 ”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ پر نیاں منمنائی۔  
 ”کیوں بھوک نہیں ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے۔“  
 پھر وہی انداز۔  
 ”ہاں ٹھیک ہوں۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔  
 ”ملیجہ! اب ابھی چیکو۔ سب منتظر ہیں۔“ اس نے جھکے سر کے ساتھ مائٹ کی آواز سنی۔  
 ”یہ پر نیاں نہیں آرہی۔“

”کیوں، کیا یہ کنبیں اور لٹا میٹ ہیں آج؟“  
 ”مجھے کیا پتا، خود ہی پوچھ لو۔“ وہ تیز سے پیچھے ہٹ کر پر نیاں کے پاس بیڈ پر آ بیٹھی۔  
 ”اٹھو میری! ورنہ بڑی کڑ بڑ ہو جائے گی۔“ مائٹ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔  
 ”کیسی کڑ بڑ؟“ وہ واقعی چونکی۔  
 ”تمہیں یہاں کے لوگوں کے مزاج کا اندازہ نہیں۔“  
 سچی غصے میں۔  
 ”اچھا بس، کوئی ضرورت نہیں، ہماری بُرائی کرنے کی۔“ ملیجہ نے بات کاٹ دی، اور اس سے بولی۔  
 ”بزرگ بھی صرف تمہارے انتظار میں یا تمہارے روکے بیٹھے ہیں۔“

اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ اگر مائٹ نہ بھی آتا تو بھی پر نیاں اس کے ساتھ بحث تو کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب یہ لوگ ڈانٹنگ روم میں آئے تو سب کھانا شروع کر چکے تھے۔  
 ”بڑے ہی بے صبر ہیں۔“ مائٹ نے ہولے سے کہا۔ ملیجہ کچھ نہیں بولی۔ اپنے لیے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ کسی نے بھی پر نیاں کی جانب توجہ نہیں دی۔ وہ بیٹھ گئی۔

سامنے چاولوں کی ڈش رکھی تھی، وہی اٹھا کر پلیٹ میں ڈال لیے۔  
 بزرگ کھانے کے دوران بھی باتیں کر رہے تھے۔

برسوں کی دوری میں جمع ہونے والی بے شمار باتیں یوں لگتا تھا جیسے انہیں مذمت ہے اگر اب یہ سب بتاؤں گے، تو پھر کبھی نہیں کہہ سکیں گے، وقت بہت کم ہے۔  
 ”حدیقہ یہ زمان، حدیقہ یہ تو بطور خاص تمہارے لیے بنائی گئی ہے۔“

”میری بیٹی کتنی کمزور ہو گئی ہے، کس قدر محنت کی ہے تم نے، مجھے یاد ہے تم تو خود اٹھ کر پانی بھی نہیں پیا کرتی تھیں۔ اور اب اتنے برس کیسی کیسی مشقت نہیں کی ہوگی۔“ نانی اپنی بیٹی کے لیے اُداس تھیں، اس کی قسمت پر افسردہ اور پر نیاں کو گناہ اسے ہی سنا رہی ہیں کہ آخر زمانے اس کی خاطر ان کی بات نہیں مانی تھی، ساری محنت اسی کے لیے تو کرنا پڑی تھی۔ ورنہ ماموں انہیں تو اپنے گھر رکھنے پر تیار ہوتے۔

”تم کھا رہی ہو یا چاول گن رہی ہو؟“ مائٹ نے اسے چمچ سے کھیلنے دیکھا تو نولٹس لیا۔  
 ”پر نیاں! کیا بات ہے۔“ تما کو بھی وہ یاد آ گئی۔  
 ”لگتا ہے یہاں آکر خوش نہیں ہے۔“ یہ خیال ملیجہ نے ظاہر کیا تھا۔

”ہاں اس کے لیے تو سب اجنبی ہیں۔“ بڑی ممانی نے کہا، اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیے، پھر اس کی گفتگو اجنبیت کی یہ دیوار گرانے کی کوشش کسی نے نہیں کی۔

کھانے کے بعد پھر سب نانی کے کمرے میں آئے اور مجبوراً اسے بھی آنا پڑا۔ جبکہ بانی کی ننگ پارٹی پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی۔ صرف نانی کے کہنے پر وہ ادھر آ بیٹھی، اس مرتبہ ان کا موضوع وہ حالات تھے جو ربانی کی موت کے بعد حدیقہ کو درپیش رہے، حدیقہ انہیں ربانی کی زندگی، اور پھر اس کی موت کے بعد جو حالات ماں بیٹی کو پیش آئے، سناتی رہی۔

”مگر ظرف نوگ، کنبے لوگ، بیچ ذات بے غیرت۔“ وہ سب ربانی کے خاندان کے لیے حدیقہ کی باتیں سن کر ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے رہے، اور پر نیاں بے شک ان لوگوں کی ٹھسکاری ہوئی تھی، مگر خون تو وہی تھا، اس کا سر جھکتا ہی چلا گیا۔ یوں لگتا تھا آگیاں اس کے لیے بھی ہیں۔

اتنا! میرا جرم بھی تو بہت بڑا تھا، مجھے سزا ملنی چاہیے تھی۔“ عدلیہ دروہی تھیں۔  
 سفیر مہمانی نے چند برس پہلے ہی شادی کی ہے۔  
 چوٹی مہمانی نے آہ بھر کر دھیرے لگے بتایا۔  
 میرا ہے وہ تو۔ نیک سیرت، دھیرے مزاج کا، اچھے  
 عہدہ تھیں شخص۔ بڑی مہمانی کی رائے تھی، ربانی کی موت  
 کے بعد وہ ایک بار پھر مہمانی اپنانے کو تیار تھا۔ مگر  
 اس بچی کی خاطر تم کہاں کہاں پھرتی رہیں کتنی مشقت  
 کی تم نے، ہم نے بہت تلاش کیا مہمانی، مگر قسمت میں  
 نہ آئی تھی۔ مہمانی آنسو بہا رہی تھیں، اُن میرا ایک  
 اور جرم، اگر میں نہ ہوتی تو مہمانی صاحب سے شادی  
 کر کے ہنسی خوشی زندگی گزارتیں۔ وہ دھیرے سے  
 اُٹھی اور دبے قدموں پھر اسی کمرے میں آگئی جو اس  
 کے لیے تھا۔ مہمانی خوش ہیں۔ یہاں آکر کہیں وہ ہیں  
 رہنے کا فیصلہ نہ کر لیں۔ یہ سوچ کر ہی اس کا دل پیٹھ  
 گیا۔

شام کو عدلیہ گھر کی دیگر خواتین اور بچے لان میں  
 جمع تھے، عدلیہ نے تانیا کو اسے بلانے کے لیے بھیجا تھا۔  
 وہ دوہر میں سوچی نہیں سکی تھی، اور اب بھی شاور  
 لیے بغیر آگے بالوں کے ساتھ اُداس بیٹھی تھی، مہمانی کا پیچھا  
 ملا تو اسی طرح اٹھ کر چلی آئی۔

پر نیلا! کب عقل آئے گی تمہیں، کلیہ دیکھتا ہے  
 اپنا، بھلا تم اس طرح یہاں، ان سب کے درمیان بیٹھنے  
 کے لائق ہو۔ تمہانے سب کے سامنے بڑی طرح ڈانٹا۔  
 وہ سب دلی دلی ہنسی ہنس پڑے، پر نیلا نے یہ نہیں  
 دیکھا کون کون موجود ہے، خاموشی سے واپس چلی۔  
 دس منٹ میں تیار ہو کر واپس آؤ۔“

مہمانی کا لوں سب کے سامنے ڈانٹ دینا کوئی نئی بات  
 تو نہیں تھی، مگر پہلے کبھی اُس نے اس قدر محسوس نہیں  
 کیا تھا۔ مگر آج ان لوگوں کے درمیان جو مہمانی کے بہت  
 اپنے اور اس کے کچھ بھی نہیں تھے، اسے بہت برا لگا تھا۔  
 سہزادی مہمانی کی تھی اس نے۔ دس کے بجائے وہ بیس منٹ  
 کے بعد واپس آئی، اور مہمانی کے قریب کرسی رکھ کر چپ چاپ  
 بیٹھ گئی۔ مہمانی اور مہمانی آپس میں باتیں کر رہی تھیں،  
 ان کے درمیان آپس میں ہنسی مذاق میں مصروف، اس نے

دیکھا۔ مہمانی ان میں نہیں تھا۔ شاید وہ گھر پر نہیں ہوں  
 گئے۔

پر نیلا اُٹھ کر مہمانی کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی، مہمانی  
 مہمانی ہیں تمہارے، ان کے ساتھ بات کرو۔ تمہانے پھر  
 لوکا۔

تمہاری بیٹی تم سے تو بالکل مختلف ہے، تم بڑی شوخ  
 اور سوشل ہو کر تھیں۔ یہ تو کسی سے بات ہی نہیں کرتی۔  
 مہمانی نے اس پر چوٹ کی۔

ہاں پھینچو! یہ تو بالکل بات نہیں کرتی، الگ ہی مزاج  
 ہے۔“ مہمانی نے بڑی بے دردی سے کہا۔

وہ نہیں کہہ سکی اگر میں بات نہیں کر رہی تو تم نے کون  
 سا مجھ سے بات کی مگر اتنی جرات اس میں نہیں تھی۔ وہ  
 بول نہیں سکی۔

اپنے پیارے ہوگی۔“ دبے دبے لہجے میں بچی نے  
 باقی ساتھیوں سے کہا تھا۔

ہمیں نہیں پتا۔ ربانی کس مزاج کے تھے۔ یقیناً  
 ہی ہوں گے۔“ مہمانی کہہ رہی تھی۔ اصل میں تو وہ آپس میں  
 دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے، مگر پر نیلا سن رہی تھی،  
 جبکہ خاتین آپس کی باتوں میں لگی تھیں۔

یہ تجھے بھی میرے پیار کا نام لیتے ہیں، بالکل جی نہیں  
 کہتے۔ یہ نفرت کی انتہا ہے، اور ان کے لیے میں صرف  
 ربانی کی بیٹی ہوں، اور وہ لڑکی جن کی وجہ سے ان کی پھیپھوں  
 کو بہت مشقت بھری زندگی گزارنا پڑی۔ جس کی وجہ سے  
 پھیپھوں اتنے برس ان لوگوں سے دور رہیں؟

اور آنے والے دنوں میں اس نے اپنے لیے واقعی  
 یہی آواز سنی۔ ربانی کی بیٹی، کیا بڑے کیا چوٹے وہ  
 اس کی بات کرتے ہوئے ہی حوالہ دیتے۔ وہ اسے عدلیہ  
 کی بیٹی کہنے کو تیار نہیں تھے، انہوں نے اپنی بیٹی کا جرم تو  
 معاف کر دیا تھا۔ مگر ربانی کا جرم اب پر نیلا کے سر  
 تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں اس کے لیے سر دھری تھی۔  
 تکلف تھا، اور وہ اس کی ہر بات کا، ہر حرکت کا بغور  
 جائزہ لیتے تھے۔

یہ مغرور ہے، یہ کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔  
 انہوں نے اس کے بارے میں یہی رائے دی تھی۔  
 میں یہاں سے واپس مانا چاہتی ہوں، دور رہنے

digest novels lovers group

والد کے ہاں گزار کر شام کو ماتب اور صراہا، تو اس نے چپکے سے کہا تھا۔  
”اپنا گھر کیا یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟ اس نے سخت افسوس کی ادکاری کی۔“

”نہیں۔ میرا گھر نہیں ہے“ اس نے صاف کہہ دیا۔  
”میری بات پر ہی! ایسا کسی کے سامنے مت کہنا۔ میں نے گئے تو سب کو کتنا دکھ ہو گا۔“

”یہ لوگ مجھے بہت برا سمجھتے ہیں، ان کے خیال میں میں صرف ربانی کی بیٹی ہوں، اور اپنے باپ کے جرم میں بہت قصور میرا بھی ہے۔“ وہ رو پڑی۔

”ہاں، یہ تو ہے اور یہ کوئی حیران کن بات تو نہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں ربانی کے لیے نفرت لازمی بات ہے۔ یہ سب تو نانا کی موت کا ذمہ دار بھی اسے قرار دیتے ہیں۔“ اس سارے قصے میں میرا قصور تو کہیں بھی نہیں

تصور وار میری ماں بھی ہے اور باپ بھی، مگر دیکھیں تو باپ کو اس کے گھر والوں نے معاف کر دیا۔ دوسری شادی بھی کروادی۔ اور ماں کو آپ لوگوں نے معاف کر کے پھر گلے لگا لیا۔ میں اگر آج دودھ پال جاؤں گی تو وہاں بھی سب نفرت کریں گے۔ وہ مجھے ربانی کی نہیں، مدلیقہ کی بیٹی کہیں گے، اور یہاں آئی ہوں تو سب مجھ سے بے زار ہیں مجھے حد لقیقہ کی نہیں صرف ربانی کی بیٹی کہتے ہیں اپنی بیٹی کا جرم معاف کر دیا ہے مگر میرے لیے ان کے دل میں نہ کوئی جگہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔“ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بُری طرح رو رہی تھی۔

ماتب نے قریب آ کر اس کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ ”تم ٹھیک کہتی ہو میری! یہ جوانی کبھی کبھی بہت دیوانی اور خود مسر ہو جاتی ہے۔ محبت کے دعوے دار کسی کی نہیں سنتے۔ اسی جوش میں عزت روند گزر جاتے ہیں۔ انہیں صرف ایک ہی فکر ہوتی ہے کہ ہم مل جائیں۔ باقی وہ سب جوان سے متعلق ہیں، جائیں بھاڑ میں، ان کی بلا سے مگر یہ جنون بہت جلد ہی اُتر بھی جاتا ہے۔ جیسے تمہارے والد نے بہت جلد دوسری شادی کر لی، اور خالہ تو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اگر وہ زندہ

رہتے تو بھی راہیں تو جدا ہونا ہی تھیں۔ انہیں معافی مانگنے یہاں آنا تھا۔ معافی مل جانی تھی، مگر ان کی اولاد بنا جرم کے سزا کا شئی ہے، اس گھر کے لوگ ہی نہیں

یہاں پر سب جو جاننے والے ہیں تمہیں ربانی کی بیٹی کہیں تھے۔ تمہیں اس حقیقت کا سامنا کرنا ہو گا میری! ایسی شادیوں کا تمہارا ہمیشہ اولاد ہی کو بھگتنا پڑتا ہے مگر تم ان روٹیوں کی پروا مت کرو۔ میں بھی تو ہوں یہاں پر اور دیکھو تو کتنی اہمیت دیتا ہوں تمہیں! اس نے ریار سے اس کے گال کو چھوا۔

”میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ میں تو بیمار پڑ جاؤں گی۔ یہ سب بہت سنگ دل ہیں۔“

اور شام کو اس نے مدلیقہ سے بھی والپس کی منڈک۔ ”کیا؟“ وہ توحیران ہی رہ گئیں۔ ”ابھی یہاں آئے دن اسی کتے ہوئے ہیں۔ میں اتنے عرصے کے بعد اپنے لوگوں سے ملی ہوں، اور تمہیں ذرا بھی احساس نہیں۔ آخر کیا کرو گی اس دیران گھر میں جا کر؟“ اسے اچھی خاصی ڈانٹ پڑی۔

مگر اگلے روز تک انہیں اس کی کہی بات پر سوچنا پڑا۔ واقعی پر نیاں کتنی سر جھا گئی تھی۔ وہ بہت ادا اس تھی۔

”اماں! مجھے والپس جانا ہو گا۔ پر نیاں کا یہاں دل نہیں لگا۔ یہ بتاتے ہوئے وہ بہت ادا اس ہو رہی تھی۔“ ”کیا تم والپس چلی جاؤ گی؟“ اس ذرا سی بچی کی منہ پر تم نے ایسا فیصلہ کر لیا۔ بوڑھی ماں کا کوئی خیال نہیں نانی رونے لگیں۔ مدلیقہ ان سے لیٹ گئیں۔

”نانی! ابھی جانے دیں پھر آ جائیں گی۔“ ماتب نے سمجھانا چاہا۔

”کیوں جانے دوں۔ ابھی تو میں نے اپنی بیٹی کو ٹھیک سے دیکھا تک نہیں۔ آخر ہے نا اسی غیبت آدمی کا خون، ہمیں دکھ دے کر ہی خوشی ملتی ہے۔“ ”یوں نہ کہیں نانی! وہ خالہ کی بیٹی ہے۔ اس کی پر خالہ نے کی ہے۔“

”تو کیا فطرت بھی بدل سکتی ہے؟“ وہ بے مدد غرق رہی تھیں۔ ماتب کو ان کے رویے پر بے حد افسوس ہوا واقعی پر نیاں بالکل ٹھیک کہتی ہے، وہ ان کے کمرے سے اٹھ کر چلا گیا۔

”پر ہی! آج شام تیار رہنا۔ میں تمہیں اپنے گھر لے کر جاؤں گا۔“ ”اپنے گھر تو کیا یہ آپ کا گھر نہیں ہے؟“

digest novels lovers group

نہیں بھتی یہ تو میری نانی کا گھر ہے میرے ابو کو کچھ  
 تھے بھٹے تھے اور مجھے کہہ کر گئے تھے کہ اس عرصے میں  
 میں اپنے گھر جا کر رہوں، دو روز رہا پھر بھاگ آیا۔ اصل  
 میں مجھے تمہارا خیال تھا ناں، اور پھر اوصاف تنہائی بھی بہت  
 ہوئی ہے۔ اب تو مصروف آدمی ہیں، مجھ سے پیار تو کرتے  
 ہیں مگر زیادہ ٹائم نہیں دے سکتے۔ حلیقہ خالہ سے  
 دن پر ان کی بات ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا ہے، وہ  
 ملکہ خالہ سے ملنے آئیں گے۔ مگر میں سوچ رہا ہوں، مجھے  
 تم لوگوں کو لے کر اپنے گھر جانا چاہیے۔“  
 حلیقہ سے بات کی۔ انہیں کیا اعتراض تھا۔ فوراً  
 راضی ہو گئیں۔

شا کو وہ مائے کے ہاں موجود تھے، رحمان صاحب  
 بڑے پیار سے ملے اور ان کے جس فقرے نے پر نیوں کو  
 بہت متاثر کیا۔ وہ یہ تھا۔  
 ”اے حلیقہ! تمہاری بیٹی تو بہت پیاری ہے۔“  
 مائے کے خاندان کے اتنے لوگوں میں کوئی تو ہے جس  
 نے مجھے ان کی بیٹی کہا ہے۔

وہ بھی ماضی کو دہراتے رہے، مائے کبھی کچھ میں  
 جا کر ہدایات دیتا، کبھی ان کے پاس آکر بیٹھ جاتا۔  
 حلیقہ! اتنی خاموش اور معصوم تمہاری بیٹی یقیناً  
 نہیں آتا۔ تم تو بہت شوخ اور تیز تھیں۔ مجال ہے جو  
 دو منٹ بھی چپ بیٹھ جاتیں، بات وہی مگر انداز میں  
 تعریف تھی۔

اس شوخی اور تیزی نے کیا دیا مجھے رحمان بھائی۔  
 پر نیوں کی تربیت میں۔ میں نے اس بات کا خاص خیال  
 رکھا ہے کہ اس میں میری والی کوئی عادت نہ آئے میں  
 نے ہر قدم پر اس کی نگرانی کی ہے، میں ڈرتی رہی جیسے  
 میں نے اپنے پیاروں کو دکھ دیا، کہیں یہ بھی ایسی غلطی  
 نہ کرے اور میری طرح اس کی سزا پائے۔“

تمہارے لگی تھیں۔ اتنے روز کے بعد آج پھر  
 پر نیوں کو وہ صرف اور صرف اپنی لگیں۔ وہ ان کے گلے  
 میں بائیں وال کر انہیں چپ کرانے لگی۔

وہ لوگ رات گئے تک اوصاف ہی بیٹھے رہے،  
 مائے نے کتنی باتیں کیں۔ وہ دونوں کتنا ہنسے اور اس  
 لہو کی بجائی سے کہہ آج مجھے جتنا مزا آیا ہے شاید

زندگی میں پہلے کبھی نہیں آیا ہوگا۔ یہ تاریخ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ مائے پاپ اور مائے پاپ نے ہی تم کو بھجایا تھا۔ انہیں پر نیال کی بات مان کر کچھ روز کے لیے موزوں واپس چلے جانا چاہیے، یہاں تمہارے تو سب ہیں مگر اس کا کوئی نہیں، وہ یہاں خود کو بہت اکیلا سمجھتی ہے۔ اور تمہانے ان کی بات مان لی تھی۔ پر نیال اس کے لیے ان دونوں کی بے حد شکر گزار تھی۔

”ہم پرسوں واپس اپنے گھر چلیں گے۔“ تمہانے وہی فیصلہ کر لیا اور پر نیال نے مائے پاپ سے پوچھا۔  
”آپ ہم سے ملنے ہمارے گھر کب آئیں گے، میں بہت انتظار کروں گی۔“

”جس روز بادل گھر کر آئیں۔ بجلی خوب چمکے۔ تمہیں ڈنگے تو مجھے لینا میں ابھی آیا ہی چاہتا ہوں۔“

وہ کھٹکھٹا کر نہیں پڑی۔ اس کا مطلب ہے جلدی نہیں آئیں گے، بارشوں کا موسم تو ابھی دور ہے۔ نانی خفا ہوئیں گھر کے باقی افراد نے بھی مدد لیتے اس فیصلے پر پر نیال کو کھلم کھلا برا بھلا کہا۔ مگر مائے پاپ نے کمر واپس آگئیں۔

”واقعی پر نیال، وہ لوگ تمہیں اب بھی قبول نہیں کر سکے، سماجی آنکھوں میں آنسو تھے، وہ پر نیال سے شرمندہ تھیں۔“

پھر اُس روز نہ تو بادل تھے، نہ بجلی چمک رہی تھی، اور نہ ہی بادل گھر کر آئے تھے۔ بڑا عام سا دن تھا۔ سارا دن دھوپ چمکتی رہی۔ اب سورج ڈھلا تو شام ٹھنڈی تھی، اندیراں نے پانی کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ صحن میں کرسیاں لگائی تھیں۔ اب چائے بنانے لگی تھی، بیل ہوئی تو پر نیال کو ہی اٹھنا پڑا۔

”ارے مائے پاپ اور انکل۔“ وہ مارے خوشی کے وہی سے تما کو پکارنے لگی۔

”ایسی بدحواس کیوں ہو رہی ہو؟“ مائے پاپ کو ہنسی آرہی تھی۔ جلدی اس کی آواز پر چلی آئیں اور حیرت اور خوشی ان کی بھی دیدنی تھی۔

”مڈیم اندیراں کہاں ہیں؟“ ان دونوں سے ملنے کے بعد مائے پاپ نے اس سے پوچھا۔

”کچن میں چائے بنا رہی ہیں۔“  
”تمہارے لیے بھی؟“ اس نے منہ بنا کر اثبات میں

سر ہلادیا۔  
”چلو آؤ تمہارے لیے اسکوئش بنواؤں، اور سُنو اب اپنی سماء سے ڈرنا چھوڑ دو۔“

”کیوں؟“ اس نے بے ساختہ ہی پوچھ ڈالا۔  
”اس لیے کہ اب وہ بھی تمہیں ڈالنا چھوڑ دیں گی۔“  
”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”پھر کبھی تباؤں گا۔ بڑے راز کی بات ہے۔“  
رات کھانے کے بعد سماء اور انکل رُغنِ باقیں کر رہے تھے، وہ اُسے لے کر اسکول میں آگیا۔

”ہم دونوں یہاں خوش ہیں، مگر تم چند روز بعد نانی کے ہاں چلی جائیں گی۔ یہ سوتج مجھے آداں کر دیتی ہے۔“  
”پیری، وہ لوگ ربانی کی بیٹی سے نفرت کرتے ہیں۔ اگر یہ حوالہ چھپے رہ جائے تو۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“  
”تمہارا نام پر نیال مائے پاپ رُغن بھی تو ہو سکتا ہے۔“  
”جی، وہ حیران ہوئی، پھر سمجھی اور سر جھٹکالیا۔

”کوئی اعتراض تو نہیں، ابھی تباؤں بعد میں کوئی غلطی نہیں ہوگا۔“ وہ ہنسنا۔ پر نیال چپکے سے مسکرا دی۔

”بریری! نام ہی نہیں توجہ اور محنت بھی دوں گا عزت کرواؤں گا۔“  
وہ مرد بھی کوئی مرد ہے، جو خود کو سراہتا کر جیسے

مرد بیوی لوگوں کے سخت ترش جملوں کی زد میں رہے۔ عزت تو کوئی عزت نہیں۔ میں نے تو اپنے زربین خیالات کا اظہار کر دیا ہے، اب غم بھی کچھ فرماؤ۔“

”میں کیا کہوں، یہ تو مائے پاپ مرضی ہے۔“ وہ شرمیلی۔  
”مائے پاپ مرضی تو تمہارے حق میں ہے، اس کے بارے میں تو میرے ذہن اب تو نے اسی روز اندازہ لگا لیا تھا، جب تم ہمارے گھر آتی تھیں۔“ وہ اونچی ہنسی ہنسا تھا پھر بولا۔

”اب تو نانی کے ہاں جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو۔“  
پر نیال نے فوراً نفی میں سر ہلادیا۔

ہاں واقعی اب کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مائے پاپ جو اپنا نام دے رہا تھا۔ اب وہ اتنے سارے لوگوں

میں تنہا نہیں ہوگی۔ مائے پاپ کا حوالہ اس کے ساتھ ہوگا اور یہ نام ساتھ لگ کر مجھے کتنا معبر کر دے گا۔ سکون، خوشی اور امن آج کی رات کتنی پیاری کسی سحر کی

طرح روشن روشن ہے، یادگار اور خوشگوار۔ ★

digest novel lovers group